"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

ماہنامہ

خالد

ربوہ

ایڈیٹر
خالد مسعود

اپریل ۱۹۸۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ **خالد** ربوہ

شہادت ۱۳۶۸ ہش

اپریل ۱۹۸۹ء

جلد ۳۶ — شمارہ ۶

قیمت ماہانہ ۲ روپے پچاس پیسے۔ سالانہ ۲۵ روپے

ایڈیٹر

خالد مسعود

تاریخ طبع ۲۰-۴-۱۹۸۹

اِس شمارہ میں

پبلشر: مبارک احمد خالد ٭ پرنٹر: قاضی منیر احمد ٭ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

عظمتِ رمضان

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝

رمضان کا مہینہ وہ (مہینہ) ہے جس کے بارہ میں قرآن کریم نازل کیا گیا (وہ قرآن) جو تمام انسانوں کے لیئے ہدایت (بنا کر بھیجا گیا) ہے اور جو کھلے دلائل اپنے اندر رکھتا ہے (ایسے دلائل) جو ہدایت پیدا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی (قرآن میں) الٰہی نشان بھی ہیں اس لیئے تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو (اس حال میں) دیکھے (کہ نہ مریض ہو نہ مسافر) اُسے چاہیئے کہ وہ اسکے روزے رکھے اور جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس پر اور دنوں میں تعداد (پوری کرنی واجب) ہوگی اللہ تمہارے لیئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیئے تنگی نہیں چاہتا، اور (یہ حکم اس نے اس لیئے دیا ہے کہ تم تنگی میں نہ پڑو اور) تاکہ تم تعداد کو پورا کر لو اور اس (بات) پر اللہ کی بڑائی کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور تاکہ تم (اس کے) شکر گزار بنو۔ اور (اے رسول) جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو (تو جواب دے کہ) میں (اُن کے) پاس (ہی) ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ سو چاہیئے کہ وہ (دعا کرنے والے بھی) میرے حکم کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا وہ ہدایت پائیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے فرمایا:-

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لیئے عمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں صلوٰۃ تزکیۂ نفس کرتی ہے اور صوم تجلّیٔ قلب کرتا ہے۔ تزکیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے اور تجلّیٔ قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۵۶)

خطبہ جمعہ

آپ رمضان سے اِس طرح گزریں کہ خدا آپ کو مل جائے

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ جمعہ فرمودہ ۷ اپریل ۱۹۸۹ء بمقام بیت الفضل لندن کا خلاصہ

حضور نے فرمایا قرآن کریم نے سب سے اہم بات اِس بابرکت مہینے رمضان سے متعلق یہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اس میں صرف عام ہدایت ہی نہیں بلکہ بہت کھلی کھلی اور غیر معمولی نشان رکھنے والی ہدایت بھی موجود ہے جو کھوٹے کھرے میں تمیز کرنے والی اور روشنی کو اندھیروں سے ممتاز کر کے دکھانے والی ہے۔ گویا ہدایت کا پہلو ایسا باقی نہیں جو قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔

حضور نے فرمایا رمضان میں قرآن کے نزول کا یہ مطلب نہیں کہ تمام قرآن کریم رمضانِ مبارک کے مہینہ میں ہی نازل ہوا بلکہ اور بہت سی باتوں میں سے ایک یہ بھی مراد ہے کہ رمضانِ مبارک میں اِس وحی کا آغاز ہوا ہے اور ہر رمضانِ مبارک میں جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اُسے دُہراتے تھے جس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شروع ہی سے قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ترتیب کا ایک دَور جاری تھا اور جب قرآن کریم مکمل ہوا تو جو رمضان بھی اس کے بعد آیا اس میں مکمل قرآن کریم ایک ہی مہینے میں دُہرایا گیا۔

حضور نے فرمایا (قرآن کریم اس میں اتارا گیا) کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس کے بارہ میں قرآن کریم اُتارا گیا ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دُنیا جہان کے ہر قسم کے مسائل بیان فرما دیئے گئے ہیں، تو انسانی مسائل پر محیط کتاب کے متعلق یہ کہنا کہ ایک مہینے کے بارے میں نازل کی گئی ہے اِس کا کیا مطلب ہے؟

حضور نے فرمایا میرے نزدیک (قرآن کریم اِس میں اُتارا گیا ہے) یہ مضمون اس حدیث قدسی میں بیان ہوا ہے فرماتا ہے: روزہ کے علاوہ ابنِ آدم کا ہر عمل اس کے اپنے لئے ہوتا ہے صرف روزہ میرے لئے ہے اور مَیں خود اس کی جزا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ روزہ دار کے مُنہ کی بُو بھی اللہ تعالیٰ کے حضور کستوری کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ حضورِ انور نے ہر عبادت انسان کیلئے اور صرف روزہ خدا کے لئے ہے کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ غور کریں تو تمام امور خواہ وہ

عبادات یا معاملات سے تعلق رکھتے ہوں وہ تمام بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے ہیں اور قرآن کریم کے احکامات اور سُنّتِ نبوی کی تشریحات میں ایک چھوٹی سی چیز بھی ہمیں ایسی دکھائی نہیں دیتی جس کو ترک کرنے کے نتیجہ میں بنی نوع انسان کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہو۔ پس بنی نوع انسان کی جنّت شریعت کی حدود میں رہنا اور اس پر عمل کرنا ہے اور جو لوگ اپنے لئے اِس دُنیا میں جنّتیں پیدا کرتے ہیں یقیناً خدا تعالیٰ ان کے لئے اخروی زندگی میں جنّت مہیا فرما دیتا ہے۔ یہ مضمون تو عام احکامات سے تعلق رکھتا ہے جبکہ روزے میں خاص بات یہ ہے کہ وہ ساری چیزیں جو روزمرّہ کی زندگی میں انسان کے لئے جائز ہیں وہ رمضان شریف میں خدا کی خاطر چھوڑی جاتی ہیں مثلاً "اسراف نہ کرو" کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انسان اگر روزمرّہ کھانا کھائے تو یہ ہرگز اس کے لئے نقصان کا موجب نہیں لیکن جب یہ بھی چھوڑ دے تو یہ اپنے لئے نہیں چھوڑ رہا بلکہ خدا کی خاطر چھوڑ رہا ہے۔ اِسی طرح روزمرّہ کی عبادتوں کا حال ہے۔ اس میں انسان کے اپنے فائدے ہیں اور اس کی جسمانی صحت کا لحاظ رکھا گیا ہے اس کے علاوہ عبادت کرتے وقت جو دعائیں آپ کرتے ہیں یا جو آیاتِ قرآنیہ آپ تلاوت کرتے ہیں ان سب کا بھی آپ سے اور بنی نوع انسان کے فوائد سے براہِ راست تعلق ہے اور اگر آپ وہ نہ کریں تو شدید نقصان میں مُبتلا ہو جائیں گے۔

حضور نے فرمایا کہ قرآن کریم نے رمضان کی جو زائد ذمّہ داریاں ڈال دی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ہی مہینے میں قرآن کریم کی بار بار تلاوت کی جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُونچی آواز سے سخت کلامی کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے کہ کسی پر زیادتی کی جائے۔ لیکن رمضان کے دنوں میں حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم یہ حق بھی چھوڑ دو اور جب کوئی تم سے سخت کلامی کرے تو اِس سے زیادہ کچھ نہ کہا کرو کہ مَیں تو روزے دار ہوں۔ پس خدا کے لئے رمضان کا ہونا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ اگر گیارہ مہینوں میں زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے جتنے امکانات تھے وہ اپنی ذات میں مکمل ہیں۔ اگر آپ ان پر عمل کرتے ہوئے وقت گزار دیتے تو بنی نوع انسان کو کوئی نقصان نہیں تھا مگر یہاں آپ محض خدا کی خاطر اپنے اوپر زائد ذمّہ داریاں ڈال رہے ہیں۔ پس خدا سے محبّت کا مضمون ہے جو رمضان ہم کو سکھاتا ہے اور جتنی طاقتیں اس نے ہمیں دی ہیں ان سب میں سے کچھ نہ کچھ اس کو لوٹاتے ہیں اور جن تکالیف کو دُور کرنے کے لئے خدا نے ہمیں اجازت دی ہوئی ہے ہم کچھ عرصے کے لئے ان کو دُور نہیں کرتے بلکہ اپنے اُوپر خود سہیڑ لیتے ہیں۔

حضور نے فرمایا رمضان شریف کے مہینے میں روزمرّہ کی عبادات، انسانی حقوق اور انسانی ذمّہ داریاں ادا کرنے کے علاوہ خدا سے تعلقات بڑھانے کے لئے تعلیم کا جو بھی معیار ہے وہ بیان ہو گیا ہے پس رمضان کے متعلق قرآن کریم کے نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان رمضان میں جو زندگی گذارتا ہے وہ انسانی زندگی کا معراج ہے اور قرآن کریم تمہیں اپنے معراج تک پہنچانے کے لئے آیا ہے۔ اِس پہلو سے ہر شخص کا رمضان مختلف اور ہر شخص کا معراج الگ الگ ہے لیکن قرآن کریم ہر شخص کو اس کے معراج تک پہنچانے کی قدرت اور استطاعت

رکھتا ہے۔ یہ مہینہ دراصل قرآن کا متبادل ہے یعنی قرآنی تعلیم عملی طور پر جس مہینے میں اپنائی جاسکتی ہے وہ یہ مہینہ ہے بس وہ لوگ جو عام حالات میں گیارہ مہینوں میں صرف عام ہدایت کی منزل پاسکتے ہیں رمضان المبارک ان کو آگے بڑھا کر تقویٰ کے اعلیٰ مدارج میں بھی داخل کر دیتا ہے اور پھر اس سے آگے بڑھ کر فرقان کے عظیم الشان مراتب بھی عطا فرماتا ہے۔ اس پہلو سے اس مہینے کی غیر معمولی قدر کی ضرورت ہے اور اگر قرآن کریم کی ساری تعلیمات پر اس ایک مہینے میں عمل کرنے کی کوشش کرنی ہے تو آپ اندازہ کریں کہ ہماری ذمہ داریاں کتنی وسیع ہو جاتی ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ نوافل کی ادائیگی کی طرف غیر معمولی توجہ کی ضرورت سامنے آتی ہے۔ اس لئے دنیا میں ایک بھی احمدی ایسا نہیں ہونا چاہیئے جسے تہجد کی عادت نہ ہو اور رمضان شریف میں جو ہم سیکھتے ہیں اس میں سے کچھ حصہ باقی سارے سال پر بھی حاوی ہو جانا چاہیئے۔ اس طرح منزل بمنزل رمضان شریف ہمارا معیار بلند کرتا چلا جاتا ہے۔

حضور نے فرمایا رمضان سے تعلق رکھنے والے فوائد کے متعلق حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان رمضان سے چونکہ خدا کی خاطر گذرتا ہے اس لئے رمضان کی نیکیوں کی جزاء خدا کہتا ہے کہ میں خود ہوں۔ پس جب آپ رمضان سے اس طرح گذریں کہ خدا آپ کو مل جائے تو یہ وہ رمضان ہے جو سچا رمضان ہے۔ یہ وہ آخری فیصلہ کن مرحلہ ہے جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

حضور نے فرمایا ہر رمضان سے گذرنے کے بعد آپ کو خصوصیت کے ساتھ اپنے سامنے یہ سوال اٹھانا چاہیئے کہ کیا اس رمضان کے بعد خدا میرا ہو گیا ہے۔ اگر اس کا جواب ہاں میں ملتا ہے تو پھر یقیناً آپ کا رمضان سچا ہے ورنہ اس رمضان میں تو ایسی خامیاں ہیں کہ اسے عام مہینوں سے مختلف نہیں کہا جاسکتا۔

حضور نے فرمایا اگر آپ رمضان کے دوران اور اس کے بعد بھی یہ سوچیں کہ آپ خدا کے ہو گئے ہیں کہ نہیں تو اس کا جواب آپ آسانی سے پاسکتے ہیں کیونکہ اپنے نفس کے حوالے سے یہ جواب ہے۔ پس اگر آپ خدا کے ہو چکے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا یقیناً آپ کا ہو چکا ہے۔ اس میں کسی فرضی، خیالی اندازے کی ضرورت نہیں آپ جب خدا کے ہوں گے تو آپ کو یہ علامتیں معلوم ہوں گی جن کے نتیجے میں آپ خدا کے بن رہے ہیں۔ خالصتہً خدا کی خاطر آپ اپنی بعض کمزوریاں دور کر رہے اور بعض نیکیاں اختیار کر رہے ہوں گے جس میں ایک ادنیٰ ذرہ بھی شک نہیں ہے کہ جس جس معاملے میں آپ خدا کے ہو رہے ہوں گے اُس معاملے میں خدا یقیناً آپ کا ہو رہا ہو گا۔ پس کل جو رمضان شروع ہونے والا ہے اس میں ان نصائح کے پیش نظر دعا ..... کرتے ہوئے داخل ہوں کہ یہ رمضان ہم حقیقتاً خدا کی خاطر گزاریں اور اس کے نتیجے میں خدا ہمارا ہو جائے۔ اس شان کے ساتھ اگر ساری جماعت احمدیہ اس رمضان سے گزر جائے تو اس سے بہتر اگلی صدی کا پہلا رمضان آپ نہیں منا سکتے۔ سب کچھ آپ کو مل گیا اور وہ وعدے جو آئندہ پورے ہونے ہیں وہ آپ کی ذات میں اُس دن پورے ہو جائیں گے جس دن آپ خدا کے ہو چکے ہوں گے۔ پس یہ وہ اہم رمضان ہے جس کے لئے میرے دل میں ایک طوفان اُٹھا ہوا ہے کہ کسی طرح جماعت کو یہ بتا دوں کہ اس اگلی صدی کے پہلے رمضان میں آپ اس رمضان کو نہ ختم ہونے

خطبہ جمعہ

ہمّت جوان کرنے، عزم بلند کرنے اور نیک ارادے باندھنے کی ضرورت ہے

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کے خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱ مارچ ۱۹۸۹ء بمقام گولوے۔ ری پبلک آف آئرلینڈ کا خلاصہ

حضورِ انور نے فرمایا آج کا جمعہ مَیں اور میرے سفر کے ساتھی جماعتِ آئرلینڈ کے ساتھ آئرلینڈ کے ایک قصبے گولوے میں ادا کر رہے ہیں۔ نئی صدی کے پہلے سال کا یہ میرا پہلا سفر ہے اور یہ اِس صدی کا دوسرا خطبہ ہے جو مَیں اِس نئی جماعت میں دے رہا ہوں۔

حضور نے فرمایا اِس سفر کی تقریب اِس لئے پیدا ہوئی ہے کہ یہاں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعتِ احمدیہ کا پہلا مشن ہاؤس ایک بنی بنائی عمارت کی صورت میں خریدا گیا۔ جماعت کی خواہش تھی کہ اِس مشن ہاؤس کا افتتاح مَیں خود باقاعدہ طور پر کروں۔

حضور نے فرمایا یہ ایک کیتھولک ملک ہے جس کی بھاری اکثریت عیسائی فرقہ رومن کیتھولک سے تعلق رکھتی ہے اِس پہلو سے یہ عیسائیت میں بہت زیادہ سنجیدہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آئرلینڈ میں رومن کیتھالوسزم ویٹیکن سے بھی زیادہ عقیدہ اور عمل کی صورت میں چلتا ہے۔ اِس پہلو سے یہ ملک غیر معمولی طور پر مذہبی رجحان رکھتا ہے۔ عموماً دُنیا میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ کیتھولک لوگ دینِ حق سے زیادہ متنفّر ہیں۔ ان میں دینِ حق کے نفوذ کے کم امکانات ہیں لیکن یہ خیال میری رائے میں درست نہیں۔ کیونکہ ہالینڈ میں جتنے بھی احمدی ہوئے وہ سارے کے سارے پہلے کیتھولکس تھے۔ اِسی طرح دوسرے ممالک کی بیعتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کیتھولکس میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے دینِ حق قبول کرنے کے رجحانات پیدا ہو رہے ہیں۔ اِس پہلو سے وہ علاقے جو مذہب میں سنجیدہ ہی نہیں بلکہ مذہبی تعصب بھی رکھتے ہیں ہمارے نقطۂ نگاہ سے زیادہ اہمیّت کے حامل ہیں کیونکہ وہ کچھ نہ کچھ سوچ بچار، غور اور تدبّر تو ضرور کریں گے۔

حضور نے فرمایا آئرلینڈ میں رومن کیتھولک ہونے کے باوجود دینِ حق سے نفرت نہیں ہے اور جس علاقے میں اِس وقت ہم یہ مشن بنا رہے ہیں اس کے لوگ انسانی اقدار سے مزیّن با اخلاق لوگ ہیں۔ اِسی طرح مَیں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہاں کے صحافی بھی اِس بات میں عار محسوس نہیں کرتے کہ ان کے عقیدے کے خلاف اگر کوئی شخص کوئی ٹھوس دلیل پیش کرے تو اُسے تسلیم کریں اور اُسے دُنیا کی نظر میں بھی لے کے آئیں۔ چنانچہ میری آمد پر ایک اخبار میں شائع

ہونے والے پہلے تعارفی مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے کھلے دِل سے اور وسیع نظر سے جماعتِ احمدیہ کا مطالعہ کیا ہے۔

حضور نے فرمایا مذہب میں جو چیز زیادہ کام آتی ہے وہ دراصل دل کی نیکی اور سعادت ہے۔ چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہ فرماتے ہیں ؎

جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجامکار

اِس لحاظ سے مَیں امید رکھتا ہوں کہ وہ سرزمین جہاں ہم احمدیت کا بیج بونا چاہتے ہیں وہ زمین باصلاحیّت ہے۔ بیج باصلاحیّت ہے یا نہیں یہ دوسرا پہلو ہے اور اِس پہلو کی طرف مَیں جماعت کو خصوصیّت کے ساتھ متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

احبابِ جماعت آئرلینڈ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ایک لمبے عرصے تک آپ لوگوں نے اِس ملک میں اِس طرح زندگی گزاری کہ ایک باقاعدہ نظامِ جماعت قائم نہیں تھا اور اولاد کی تربیت کے سلسلے میں بھی نظامِ جماعت نے کوئی حصّہ نہیں لیا اِس لئے مقامی جماعت کو انتظامی لحاظ سے بہت سی ایسی کوششیں کرنی ہوں گی کہ ہماری نوجوان نسلیں نہ صرف سنبھلیں بلکہ دین کے ساتھ ان کی ذاتی محبت پیدا ہو۔ اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنا دفاع کر سکیں بلکہ احمدیت کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا ایک ولولہ ان کے دل میں پیدا ہو جائے۔ اگر یہ ہو جائے تو یہاں کی سرزمین خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ صلاحیّت رکھتی ہے کہ جو اچھا بیج اِس زمین میں بویا جائے وہ نشوونما پائے۔

حضور نے فرمایا آئرلینڈ میں میرے علم میں ابھی تک کوئی مرد تو ایسا نہیں جس نے احمدیت قبول کی ہو لیکن بعض خواتین ایسی ہیں جنہوں نے احمدیت کو قبول کیا ہے۔ ان میں سے دو کو مَیں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ خدا کے فضل سے دونوں کا دینی معیار ایسا بلند تھا کہ مَیں اُس سے غیر معمولی طور پر متاثر ہُوا۔ ان کی اولاد میں بھی خدا کے فضل سے سلسلہ کے ساتھ غیر معمولی اخلاص کے آثار نظر آتے تھے۔ اگر یہاں کی بعض خواتین احمدیت قبول کرنے کے بعد تیزی سے دینی اقدار میں ترقی کر سکتی ہیں تو یہاں کے مردوں میں بھی یقیناً یہ جوہر موجود ہوگا صرف رابطے کی ضرورت ہے اور میرے آنے کے نتیجہ میں اخبارات میں جو احمدیت کے ذکر چلیں گے اور چل چکے ہیں ان سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے اِس لئے یہ نہ ہو کہ میرے جانے کے بعد آپ کی چھوٹی سی جماعت اِسی لطف میں مگن رہے کہ چھوٹی سی جماعت ہے لیکن اِس کے باوجود خدا تعالیٰ نے اتنا بڑا فضل فرمایا۔ یہ فضل اِس نوعیّت کا فضل ہے جس کے نتیجہ میں آپ کو آگے بڑھنے کی قوّت عطا ہوتی ہے اور بہت سے لوگ آپ کی بات سُننے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

اِس لئے ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کی سکیمیں بنائی جائیں۔ اِس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ساری دُنیا میں ہم غیر از جماعت دُنیا سے رابطہ پیدا کرنے کی جو سکیمیں بنا چکے ہیں ان سے یہاں بھی فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ انگلستان میں وسیع پیمانے پر شائع ہونے والے لٹریچر سے بہت حد تک یہاں بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ سب تیاریاں مکمل ہیں جن کی آپ کو ضرورت ہے۔ ایسا لٹریچر بھی موجود ہے جو غیر معمولی طور پر وسعت کے ساتھ نئے زمانوں کے مسائل کو حل کرنے والا ہے۔ صرف اب آپ لوگوں کو اپنی ہمّت جوان

کرنے، عزم بلند کرنے اور نیک ارادے باندھنے کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت دعاؤں کی مدد کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت عمدگی سے پوری ہو سکتی ہے۔ تو آغاز کی بات ہے آغاز آپ کر دیں اور انجام خدا تعالیٰ کے سپرد کریں میں اُمید رکھتا ہوں کہ یہاں کی جماعت صد سالہ جوبلی کے پروگراموں سے استفادہ کرتے ہوئے اور اس خصوصی سال کے پروگراموں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ کام شروع کر دے گی جو آج سے دسیوں سال پہلے تک یہاں رہنے کے باوجود وہ نہیں کر سکی۔ اس افتتاح کو جو میں آج کر رہا ہوں اس کو رسمی افتتاح نہ رہنے دیں بلکہ ٹھوس اور ایک حقیقی افتتاح بنا دیں۔

حضور نے فرمایا اس ضمن میں باقی دُنیا کی جماعتوں سے بھی میں یہ گزارش کرنی چاہتا ہوں کہ احمدیت کی دوسری صدی کا یہ پہلا سال غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اور یہ ایسے جشن نہیں جن کو منا کر پیچھے چھوڑ دیا جائے بلکہ ایسے جشن ہیں جن کا گہرا اثر آئندہ پوری صدی پر پڑنا ہے۔ اس لئے یہ خیال دل سے نکال دیں کہ ۲۳ مارچ اور اس کے اِرد گرد چند ایام ہی جشن کے ایام تھے ہمارا سارا کام تو اس سال پر آگے پھیلا پڑا ہے۔ بے حد کام ہیں جو جماعت کو اس جشن منانے کے سلسلے میں پورے کرنے ہیں۔ مثلاً لٹریچر کے سلسلہ میں ایک پروگرام تو یہ ہے کہ ہم مختلف کتب کے میلوں میں ان کی نمائش کریں اور ایک ہے مستقل نمائش۔ یعنی جہاں جہاں جماعت کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے وہاں بڑے ہال تعمیر کر کے یا بڑی بڑی عمارتیں سال بھر کے لئے کرائے پر لے کر ان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اس سارے لٹریچر کی نمائش کا انتظام ہے اور یہ جہاں جہاں ہو گی اس کے بڑے نیک اثرات مترتب ہوں گے۔ لیکن کام صرف اس حد تک ہی ختم نہیں ہو گا۔ ۱۱۸ کے لگ بھگ زبانوں میں قرآن کریم کے مکمل تراجم اور منتخب آیاتِ قرآنیہ کے تراجم۔ احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تراجم اور اقتباسات حضرت بانیٔ سلسلہ کے تراجم پر مشتمل بکثرت ایسا لٹریچر شائع کیا گیا ہے جسے تقسیم کروانا ہے تقسیم کروانے کا انتظام اس ایک سال کے اندر مکمل ہونا ہے۔

حضور نے فرمایا تقسیم لٹریچر کا کام جماعتیں دو طرح سے کر سکتی ہیں یا تو ڈاک کے ذریعہ بھجوا دیں یا رابطے قائم کر کے خود لٹریچر پیش کریں، ڈاک میں ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی سمجھ نہیں آئے گی کہ اس لٹریچر کا کیا بنا۔ لیکن اگر ہماری جماعتیں محنت کریں اور تقسیمِ کار کو کے حکمت اور تفصیل کے ساتھ ایسا پروگرام بنائیں کہ علاقہ علاقہ اس لٹریچر کو ذاتی طور پر پیش کیا جائے تو اس کے بہت اچھے نتائج نکلیں گے۔

حضور نے فرمایا اس سلسلے میں کچھ دِقتیں بھی ہو سکتی ہیں لیکن جہاں کام میں دِقتیں ہوں وہاں منصوبہ بندی ضروری ہے اور یہ منصوبہ ایسا نہیں جو مرکز سے بنا کر مختلف جماعتوں کو بھجوایا جائے بلکہ اپنے حالات کے مطابق سوسائٹی کے ردِّ عمل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور وہ ذرائع سوچتے ہوئے جو بہترین رنگ میں کسی سوسائٹی میں قبولیت اختیار کر سکیں گے آپ اپنے منصوبے کو مقامی طور پر بنائیں اور ہمیشہ یہ مقصود پیشِ نظر رہے کہ ہم نے سوسائٹی کے ہر حصے میں نفوذ کرنا ہے۔ طالبِ علموں، دانش وروں، اخبار نویسوں، وکلاء، تاجروں،

سیاستدانوں، زمینداروں، صنعت کاروں، لیبر اور مالکان اور جتنے بھی دوسرے انسانی تعلقات آپ کو دکھائی دیتے ہیں ان سب تک اِس سال میں آئندہ صدی کے لئے بیج بو دینے ہیں۔ یہ اہمیت ہے اِس کو۔ اِس لئے جتنے زیادہ سے زیادہ طبقات اور زمینیں آپ پیشِ نظر رکھیں گے اور جتنا حکمت کے ساتھ وہاں احمدیت کا بیج بوئیں گے اتنا ہی زیادہ پھل اگلی صدی میں پیدا ہوگا۔ پس پُرانی بنیادوں پر استوار عمارتوں کو بلند کرنا اور نئی بنیادوں کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرنا اور ان پر نئی عمارتیں بنانا۔ اور اُن نئی عمارتوں کا آغاز کرنا ہمارا کام ہے۔ مَیں اُمید رکھتا ہوں کہ دُنیا بھر کی جماعتیں اِس پروگرام کو بڑی لگن اور ذاتی تعلق اور جذبے کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں گی۔ ہر ملک کا کام اب یہ ہے کہ اپنے ملک میں وہ تمام سوسائٹی میں نفوذ کرے اور آئندہ صدی کے لئے احمدیت میں دلچسپی کے ایسے دروازے کھول دے جن کے رستے سے جوق در جوق قومیں دینِ حق میں داخل ہونا شروع ہوں۔

حضور نے آخر پر فرمایا مَیں یہاں آنے پر بہت خوش ہوں۔ یہاں کی جماعت چھوٹی ہے لیکن آثار یہ دکھائی دے رہے ہیں کہ ان میں نفوذ پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ایک شہر طیّب ہو اور اچھے لوگوں پر مشتمل ہو تو ہمیشہ ربّ اس شہر پر غفور ہو جایا کرتا ہے۔ ایسے شہر کے لئے غضبناک خدا کا کوئی تصوّر نہیں۔ پس خدا کرے کہ اِس علاقے کے لئے ربِّ غفور اپنے جلوے دکھائے اور جن خوبیوں سے اُس نے ہمیں نوازا ہے انہیں اور چمکائے اور اس علاقے میں کثرت کے ساتھ دین کے پھیلانے کے سامان پیدا فرمائے۔

خطبہ جمعہ بقیہ از صفحہ ۵

دیں جب تک آپ کا وجود اپنے لئے ختم نہ ہو جائے اور خدا کے لئے نہ ہو چکا ہو۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ کس شان کے ساتھ خدا آپ کا بنتا ہے اور کس شان کے ساتھ دُنیا پھر آپ کی سچائی کے تحتِ اقدام کھنچی چلی جاتی ہے اور آپ وہ ہوں گے جو بلندیاں عطا کرنے والے ہوں گے آپ بلندیاں مانگنے والے نہیں رہیں گے۔

خدا کرے کہ آپ کو اور مجھے اِس قسم کا رمضان نصیب ہو جس کے بعد خدا ہمارا ہو جائے۔ جب خدا ہمارا ہوگا تو خدا کی دُنیا پھر ہماری ہی ہے کسی اور کی نہیں ہو سکتی ہے۔

قطعۂ تہنیت برجشنِ صد سالہ

بحضور اقدس سیّدنا و امامنا حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہُ اللہ

اے چراغِ اولیائے محترم!

اے فروغِ دیدۂ اہلِ حکم!

اے گرامی ارجمند و محتشم!

اے تو اِی "مجمعِ فیض و کرم"!

۱۳۰۶ = ۳ - ۱۳۰۹

اے تو اِی طائرِ بامِ حرم!

"فاضلِ فخرِ زماں" اہلِ قلم!

۱۸۸۹ء

"اے کہ تو اِی خادمِ خیرِ اُمم"!

۱۹۸۹ء

"ناظرِ انوار" تو اِی لاجرم!

۱۴۰۹ھ

جشنِ صد سالہ مبارک باد، باد!

کامران و شادمان و شاد، باد!

(یعقوب امجد، کھاریاں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتلاؤں میں صبر و استقامت

(مکرم مولانا غلام باری صاحب سیف)

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ○ (سورۃ احقاف آخری آیت)

آیت کا ترجمہ یہ ہے :-

صبر کیجئے جس طرح صاحب عزم یعنی باہمت پیغمبروں نے صبر کیا۔ اور اُن کے لئے انتقامِ الٰہی جلد نہ چاہیئے۔ جس دن یہ لوگ اُس عذاب کو دیکھیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا۔ تو یوں معلوم ہوگا جیسے یہ دن کی ایک گھڑی بھر رہے ہیں، یہ پہنچا دینا ہے۔ اور نہیں ہلاک ہونگے مگر فاسق اور نافرمان لوگ۔

صبر کے معنے روکنے اور سہارنے کے ہیں یعنی آزمائش اور مشکلات میں نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور اپنے موقف پر قائم اور ثابت قدم رہنا۔

قرآن مجید کی لغت کے مشہور امام راغب اصفہانی نے صبر کو جزع فزع کا نقیض قرار دیا اور اس کے معنے عقل اور شریعت کے تقاضا کے مطابق نفس کو روکنے، جرأت و شجاعت، عبادت میں لگے رہنے اور خدا کے فیصلہ اور حکم کے انتظار کے کیئے ہیں۔ (مفردات زیر لفظ صبر)

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر و استقامت لازم و ملزوم ہیں۔ صبر کے مفہوم میں استقامت شامل ہے۔ فرمایا :-

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ۔ (ھود آیت ۱۱۲)

اور صبر کا تقاضا عبادت، خدا کے حضور جھکنا اور اس کا ذکر ہے۔ فرمایا :-

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ○ (طٰہٰ)

آیت کے آخری الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ خدا کی رضا پر راضی رہنا بھی صبر کے مفہوم میں داخل ہے۔ مومن کے لیئے ابتلاء کا دور اس کے روحانی ارتقاء اور تقرب الی اللہ کا موجب بن جاتا ہے۔ حلیۃ الاولیاء میں حضرت سلمانؓ فارسی کا یہ قول درج

ہے کہ اللہ اپنے بندے کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پھر اُسے عافیت عطا فرماتا ہے تو یہ اسکے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور خدا کی رضا اسے نصیب ہوتی ہے۔ لیکن کافر و فاجر پر آزمائش آتی ہے وہ چلی بھی جاتی ہے۔ اس کی مثال اونٹ کی ہوتی ہے کہ گھر والوں نے اُسے باندھا بھی اور چھوڑا بھی لیکن وہ نہیں جانتا کہ کیوں باندھا اور کیوں چھوڑا۔ یعنی آزمائش سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتا۔

(حلیۃ الاولیاء جلد ۱ صفحہ ۲۰۶)

صبر کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا:۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○

(القصص آیت ۵۴)

آیت کا آخری حصہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مشکلات کے دور میں راہِ خدا میں اور زیادہ خرچ کیا جائے۔

امام راغبؒ نے صبر کے معنے شریعت کے تقاضوں پر عمل کے کیئے ہیں۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کا ایک تقاضا کثرتِ استغفار ہے۔ فرمایا:۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

(المومن)

صبر کرنے والوں کے لیئے ضروری ہے کہ انہیں خدائی وعدوں پر غیر متزلزل یقین ہو۔ فرمایا:۔

فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ

(ہود)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

(مومن)

اور صبر بجز بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کے ہو نہیں سکتا۔ فرمایا:۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (لقمان آیت ۱۷)

اس میدان میں بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ فرمایا:۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ○ (القلم آیت ۴۸)

اب مجھے آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ اعلیٰ خُلق اپنے پورے کمال کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات میں موجود تھا۔ اُس ذاتِ گرامی میں جسے خدا نے ہمارے لیئے اُسوہ حسنہ قرار دیا جو آزمائش کے ہر میدان سے گزرے لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔

ہر اذیت آپؐ کو پہنچائی گئی لیکن کوہِ استقامت اور پیکرِ ثبات کے حوصلے اور ہمت میں تزلزل نہ آیا۔ مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، مشکلات کی آندھیاں چلیں لیکن آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی جبینِ نیاز بجز قادرِ مطلق کے کسی دہلیز پر نہ جھکی۔ پہلی وحی کے نزول پر تجربہ کار ورقہ نے کہا تھا:۔

لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ اِلَّا عُوْدِيَ۔ (بخاری باب کیف کان بدء الوحی)

جو شخص بھی وہ پیغام لایا جس قسم کا آپؐ لائے ہیں

اس سے دشمنی ہی کی گئی۔ اُسے اذیت ہی دی گئی۔

اور وحی الٰہی کا منزل علیہ اِس حقیقت سے بے خبر نہ تھا۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا اَیُّ النَّاس اَشَدُّ بلاءً لوگوں میں سب سے بڑی آزمائش کس کی ہوتی ہے۔ فرمایا:-

الانبیاء ثمّ الامثل فالامثل یبتلی الرَّجُلُ علیٰ حَسَبِ دینہٖ فان کان فی دینہٖ صلبًا اشتدّ بلاءہٗ وان کان فی دینہٖ رِقّۃً ابتُلِیَ علیٰ قدرِ دینہٖ فما یَبرحُ البلاءُ بالعبدِ حتّٰی یترکہٗ یمشی علی الارض وما علیہ خطیئۃٌ۔

(ترمذی ابواب الزھد - باب فی الصبر علی البلاء)

سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے۔ اُس سے اُتر کر جو روحانی طور پر اُن کے قریب ہوتے ہیں۔ پھر جو ان کے قریب ہوتے ہیں۔ اگر دین میں مضبوطی ہو تو آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔ اگر دین و ایمان میں کوئی کمزوری ہو تو آزمائش بھی اُس کے دین کے مطابق ہوتی ہے۔ فرمایا بندے پر آزمائش پر آزمائش آتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مبتلائے آلام کے سب گناہ آزمائشیں لے جاتی ہیں اور خدا کا مبتلاء بندہ آزمائش کے پانی سے دُھل کر بے عیب اور بے داغ ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی و امّی وابی دعویٰ کے ساتھ ہی، نہیں نہیں معمورہ ارضی پر آنکھیں کھولنے کے ساتھ ہی آزمائش کے ادوار سے گزارے گئے۔ سایۂ پدری سے محروم ہوئے۔ دریتیم کہلائے انسانی سہارے ایک ایک کر کے اُٹھتے گئے۔ مؤرخین نے آپ کی زندگی کے ایک سال کو عام الحزن قرار دیا۔ آپ کی روحانی تسکین اور تشجیع کے سب سے بڑے ذریعہ آسمانی وحی میں بھی وقفہ آیا۔ لیکن آپؐ کے ناقدین کو کہیں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے چھٹتا نظر نہیں آیا۔ فترۃ وحی نے آپؐ کی آتش اشتیاق اور ذوقِ لقاء کو بجھایا نہیں مزید بھڑکایا۔ حتّٰی کہ غیروں نے بھی کہا عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے ربّ کے ساتھ لپٹے ہوئے ہیں۔

دعویٰ ماموریت کے ساتھ اذیتوں آزمائشوں اور تکالیف کا جو دور شروع ہوا تاریخ نے اُسے اپنے سینہ میں محفوظ کیا ہے۔ پٹکہ ڈال کر آپؐ کا گلا گھونٹا گیا۔ آپؐ کے رفیق سیدنا ابوبکرؓ نے آگے بڑھ کر آپؐ کو بچانا چاہا تو ظالموں نے انہیں اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ سر اور داڑھی کے بال اِس شدّت سے نوچے کہ اہلِ خانہ سر اور مُنہ کو دھوتے وقت جہاں ہاتھ لگاتے بال اُن کے ہاتھوں میں رہ جاتے۔

کفارِ مکہ آپؐ کو تکالیف اور اذیت پہنچاتے تو کہتے اَنْتَ الَّذِی تَقُولُ کَذَا وَکَذَا۔ تو ہی ہے جو یہ کہتا ہے وہ کہتا ہے۔ آپؐ یہی جواب دیتے نَعَمْ اَنَا الَّذِی اَقُولُ ذَالِکَ۔ ہاں مَیں ہی ہوں جو یہ کہتا ہے۔

مکہ کی گلیوں میں چلتے وقت آپؐ پر آوازے کسے جاتے۔ تین سال تک آپ کا سوشل بائیکاٹ

کیا گیا۔ آپؐ شعب ابی طالب میں محصور ہو کر رہ گئے۔ بچے بھوک سے بلبلاتے تو دشمن قہقہے لگاتے۔

(ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۴۷)

اس دور میں مسلمانوں کو گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ اپنے وطن کو خیرباد کہنے کے لمحات کس قدر اذیت ناک ہوتے ہیں اس کا تصور اُن کے لئے مشکل نہیں جنہیں اپنے وطن کو خیرباد کہنا پڑا ہو۔ شعراء نے اس درد کی لذت کا بہت چرچا کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دُور تک یادِ وطن آتی تھی سمجھانے کو

اس دور میں جب خدا کے انتقام کی چکی چلی اور قریش مکہ کو قحط نے پکڑا تو کفر کا سرغنہ ابوسفیان دربارِ رسالت میں یہ فریاد لے کر آیا :۔

یا محمد اِنّکَ تزعم اَنّکَ بُعِثتَ رحمۃً وانّ قومك قد هلكوا فاع الله لهم۔ (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹)

اے محمدؐ! آپ کہتے ہیں کہ آپ رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ تیری قوم تو ہلاک ہونے لگی ہے۔ ان کے لئے خدا سے دعا کیجئے۔

رحمۃ للعالمینؐ کے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھے تو آسمان پر گھرے بادل چھائے۔ اتنی بارش ہوئی کہ وہ پھر فریاد بن کر آئے۔ نبی الرحمت نے پھر آسمان کی طرف نگاہ ڈالی اور دعا کی :۔

اللّٰھم حوالینا ولا علینا۔

(ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹)

اللہ! ان بادلوں کو اب جنگلوں اور صحراؤں کی طرف لے جا۔

اُوپر مَیں عرض کر چکا ہوں کہ صبر کے مفہوم میں یہ شامل ہے کہ بُرائی کے بدلہ میں نیکی کی جائے۔ کانٹے بچھانے والوں کے پورے زخمی ہو جائیں تو ان کے ہاتھ سہلائے جائیں۔

ہجرت کے بعد اگلے سال جب صنادید عرب عورتوں کے گانوں سے دل بہلاتے، اونٹ ذبح کر کے دعوتیں اُڑاتے۔ شراب کے خم کے خم لنڈھاتے بدر کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔ تو مسلمانوں نے آگے بڑھ کر پانی پر قبضہ کر لیا۔ کفار نے اس حوض سے پانی لینا چاہا تو مسلمانوں نے انہیں روک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دَعُوھُم۔ مت روکو، پانی لینے دو۔

(ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۴)

اس ضمن میں ایک عجیب مثال ہمیں اُسوۂ حسنہ کی زندگی میں نظر آتی ہے کہ جنگِ حنین میں شریک ایک شخص واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو اونٹنی پر سوار جا رہا تھا۔ اسکی جُوتی سخت تھی۔ اس کی اونٹنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے ساتھ گھسٹ کر گزری تو اس کی جُوتی کی نوک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی پر لگی جس سے حضورؐ کو تکلیف ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے پاؤں پر کوڑا مارا اور فرمایا تُو نے مجھے دُکھ پہنچایا، ذرا ہٹ کر چلو۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ اگلے روز حضورؐ مجھے تلاش کر رہے تھے۔ مَیں نے دل میں کہا کہ کل والے واقعہ کے متعلق کوئی بات ہے۔

میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا:۔
کل تمہارے پاؤں لگنے سے مجھے
چوٹ آئی اور میں نے تمہارے پاؤں
پر کوڑا مارا۔ میں نے اب اس کا بدلہ
اتارنے کے لئے تجھے بلایا ہے ——
راوی کہتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے اُسے اسّی ۸۰ دنبیاں عطا
فرمائیں۔ (ابن ہشام جلد ۴ صہ ۶۷۲)

صبر کا تقاضا عبادت اور خدا کے حضور جھکنا ہے
بدر کا تاریخی معرکہ ۱۷ رمضان کو وقوع پذیر ہوا۔
ایک طرف ایک ہزار غرور و فخر کے مجسمے تھے تو
دوسری طرف تین سو تیرہ بیچارگی اور بے بسی
کی تصویریں۔ بدر کے میدان میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم خدا سے اذن پاکر مسلمانوں کو فتح کی نوید
سنا چکے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو مخاطب ہو کر
فرمایا ھٰذہٖ مکّۃ قد اَلقت الیکم افلاذ
کبدھا۔ مکّہ نے اپنے جگر گوشے تمہارے سامنے
لا ڈالے ہیں —— رات آسمانی رحمت بارش کی
شکل میں زمین پر برسی۔ قرآن مجید کی اس آیت
میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:۔

وَ یُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ
عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ
عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ یُثَبِّتَ بِهِ
الْاَقْدَامَ (الانفال آیت ۱۲)

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں۔ صبح معرکہ میں اترنے
کی وجہ سے اس رات سب سو رہے تھے سوائے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ آپ ایک درخت
کے قریب ساری رات رو رو کر خدا سے دعا کرتے
رہے۔ تحت شجرۃٍ یصلی و یبکی حتّٰی
اَصْبَحَ۔ (ابن ہشام جلد ۲ صہ ۴۰۱)
سجدہ میں جاتے تو یہ الفاظ سنائی دیتے۔
یا حیّ یا قیوم —— اور پھر دیکھنے والوں نے
زندہ خدا کی تجلّی کا کرشمہ دیکھا۔ زندگی کے سرچشمہ
نے مسلمانوں کو حیاتِ نو عطا فرمائی اور قیوم ہستی
نے مسلمانوں کو ثباتِ قدم عطا فرمائی اور کفر کو
سرنگوں کیا۔

مکی زندگی میں آپ کے صحابہؓ پر آپ کی آنکھوں
کے سامنے ظلم و ستم توڑے جاتے۔ ظالم ظلم کی نئی
نئی راہیں نکالتے۔ جب مکّہ کی وادی بطحاء کے
سنگریزے کوئلوں کی مانند دہک اٹھتے تو پشت
کے بل مسلمانوں کو ان پر لٹا دیتے اور اوپر بھاری
پتھر رکھ دیتے تاکہ وہ پہلو نہ بدل سکیں۔ پیاس
سے زبانیں باہر آ جاتیں۔ وہ پانی طلب کرتے تو ظالم
کوڑوں کی بارش کرتے۔ آہنگر خباب کی بھٹی سے
کوئلے نکال کر اس پر لٹا دیتے۔ جسم کی چربی پگھل کر
کوئلوں کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی لیکن ظالموں کی
آتش انتقام ٹھنڈی نہ ہوتی۔ عمار بن یاسر پر ظلم
ہوتا دیکھتے تو عمار کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:۔

صبراً یا آل یاسر موعدکم الجنّۃ
بے بس آلِ یاسر صبر کرو۔ میں تم سے
جنّت کا وعدہ کرتا ہوں۔

ایک بار مکّہ کی تاریک رات موسم حج میں عقبہ میں جمع ہونے
والے انصارِ مدینہ نے آپ سے مقابلہ کی اجازت

چاہی۔ انہوں نے کہا کیا ہم تلواروں کے سایہ میں نہیں
پلے ہیں۔ ہم ان سے نپٹ لیتے ہیں۔ ان کو مزہ چکھا
دیتے ہیں۔ شاید کسی کو یہ خیال گزرے کہ وہ ستو تیرا جنبی
کیا کر سکتے تھے۔ تو میں صرف یہ عرض کروں گا کہ ؎

نہ بینی کہ چوں گربہ عاجز شود
بر آرد بچنگال چشم پلنگ

کہ بلی جب لاچار ہو جائے تو پنجہ مار کر چیتے کی آنکھ
نکال دیتی ہے۔

لیکن انصار کے جواب میں صبر و استقامت
کے داعی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لم نُؤمَرْ بذالک اِنّما اُمِرْتُ
بالصبر۔ (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۰)

مجھے لڑائی کا اِذن نہیں دعا اور صبر کا حکم ہے۔
ابن ہشام کے الفاظ ہیں:-

انّما یُؤمَرُ بالدعا الی اللہ والصبر
علی الاذیٰ والصفح عن الجاھل۔
(ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۲)

اور جب قریش مکہ نے زر، زن اور زمین یعنی بادشاہت
کا لالچ دیا اور دھمکی بھی۔ یعنی ترغیب و ترہیب
دونوں حربے آزمائے اور چچا نے اپنی بے بسی کا اظہار
کیا تو صابر اور پیکرِ صدق و وفا نے یہی جواب دیا
کہ یہ کیا کہتے ہو۔ اگر سورج اور چاند بھی میرے ہاتھوں
پہ لا کر رکھ دو اور اس دعوت اور راہ سے روکو
تو میں باز نہیں رہوں گا۔ جان تک اس راہ میں
قربان کر دوں گا۔ یا اسلام غالب ہوگا یا میں نہ
رہوں گا۔ (ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ مصر)

تاریخ گواہ ہے کہ جسے خدا نے اُسوۂ حسنہ قرار
دیا اُس ذاتِ گرامی نے اُحد کے میدان میں ستّر سے
اُوپر زخم کھائے۔ چہرہ لہولہان ہو گیا۔ سامنے کے
دانت مبارک شہید ہو گئے۔ اُحد کے دامن میں کچھ دیر
آپ بے سُدھ و بیہوش پڑے رہے۔ آپؐ کے عزیز
چچا کا مُثلہ کیا گیا۔ ہندہ نے اُن کا کلیجہ چبانا چاہا
تھا لیکن آپؐ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔
مُثلہ کے بالمقابل مُثلہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ بچوں،
بوڑھوں اور عورتوں کے قتل کو روا نہ رکھا۔

اور جب طائف کے اوباشوں نے رحمتِ مجسّم
صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں کی بارش برسائی۔ سر سے
پاؤں تک آپؐ کا خون بہایا۔ جب آپؐ تھک کر بیٹھ
جاتے وہ ازلی شقی پھر اُٹھا کر چلنے پر مجبور کرتے اور
پتھر برساتے ــــ یا للعجب۔

اے طائف کی سرسبز وادی، اے انگوروں کے
باغوں کی سرزمین! رحمۃ للعالمینؐ سے تیری دھرتی
نے یہ کیا سلوک کیا؟ لیکن خدا کے صابر اور کوہِ استقامت
نے چشمہ کے پانی سے زخم دھو کر درخت کے ساتھ ٹیک
لگا کر جو دعا کی اس میں طائف کے مکینوں کا شکوہ
نہیں کیا بلکہ اپنے مولا کی رضا کی بھیک ہی مانگی۔
فرمایا لک العقبیٰ حتّی ترضیٰ۔ لاحول ولا قوۃ
اِلّا بک۔ اور جب ملک الجبال نے طائف کے مکینوں
کو پیس دینے کی پیشکش کی تو فرمایا:-

ارجو اللہ ان یُخرج اللہُ من اصلابھم
مَن یَعبُدُ اللہ لا یشرک بہ شیئًا۔

میں اللہ کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ
شرک کے ان مجسموں، پتھر برسانے والوں
کی نسلوں میں سے خدائے واحد کے پرستار پیدا

ہوں گے۔ (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۵۳)

حضرت عائشہ رضؓ کے استفسار پر کہ کیا اُحد کے دن سے زیادہ سخت دن بھی آپؐ پر آیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ عائشہ! طائف کا دن میری زندگی کا سخت ترین دن تھا۔ (ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۵۲)

رحمت و خیر مجسّم فرماتے ہیں:۔

لقد اُوذیتُ فی اللہ وما یُوذی اَحدٌ واُخِفتُ فی اللہ وما یُخاف اَحدٌ۔

مجھے جو اذیت دی گئی کسی کو نہیں دی گئی۔ مجھے خدا کے لئے جو ڈرایا گیا، کسی کو نہیں ڈرایا گیا۔

اور جب یہی اہلِ طائف ۹ھ میں مدینہ آئے اس وفد میں اُن کا سردار عبد یا کلیل بھی تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خون بہانے والوں کو مدینہ کی سب سے مقدس اور محترم منزل یعنی مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ (ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۵۳۱) اور جب کسی نے اعتراض کیا تو فرمایا ان کی یہاں اقامت مسجد کے تقدس کے منافی نہیں۔

۸ ہجری میں جنگ حنین کے بعد جعرانہ کے مقام پر جب کسی نے حاضر ہو کر طائف میں بسنے والے قبیلہ ثقیف کے لیئے بد دعا کرنے کی درخواست کی تو رحمۃ للعالمین ؐ نے خدا سے یہ دعا کی:۔

اللّٰھم اھدِ ثقیفاً واْتِ بھم

اے اللہ ثقیف قبیلہ کو ہدایت فرما اور انہیں لے آ۔

اور یہی دعا آپ نے دوس قبیلہ کے لیئے فرمائی جب طفیل دوسی نے اُن کی تباہی و ہلاکت کے لیئے بد دعا کی درخواست کی۔ اس دعا کا نتیجہ یہ تھا کہ اگلے سال ستر افراد آپؐ کے ہاتھ پر اسلام لانے کے لیئے مدینہ آئے اور ثقیف کے لیئے دعا کا یہ اثر تھا کہ جس کی دیواروں کو منجنیق کے پتھر نہ توڑ سکے وہ پتھر دل آپؐ کی دعا سے پگھل کر آستانہ الوہیت پر بہہ گئے۔

اور آزمائش اور ابتلاء صرف بدنی تکالیف پر منحصر نہیں۔ ذہنی اذیت، نیک خواہشات کی تکمیل میں غیر کی جھوٹی انانیت کا روک بن جانا بہت بڑی آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ نیک کاموں سے روکا جاتا ہے۔ خدا کا نام بلند کرنے پر تعزیر عائد کی جاتی ہے جنگ بدر، اُحد اور احزاب کے بعد رمضان چھ ہجری میں خدا کے برگزیدہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رؤیا کی بناء پر چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ قربانی کے ستر جانور ہمراہ لے کر عمرہ کے لیئے مکہ کو روانہ ہوئے۔ اہلِ مکہ چیتوں کی کھالیں پہن کر جنہیں پہلے ہی جنگیں ادھ مؤا کر چکی تھیں مرنے مارنے پر تُل گئے۔ صحابہؓ اہلِ مکہ کے کس بل نکال چکے تھے۔ وہ جانتے تھے یہ کتنے پانی میں ہیں۔ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ روکا تو آپؐ راستہ بدل کر ثنیۃ المرار مقام پر پہنچ گئے۔ آپ کی اونٹنی قصواء اچانک بیٹھ گئی تو فرمایا اس کی یہ عادت نہ تھی اسے اُس ذات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا۔ خدا کی قسم کُفّار قریش صلہ رحمی کی جس شرط کی طرف بلائیں گے میں اسے قبول کر لوں گا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ پھر آپؐ نے اُن شرائط کو قبول کر لیا جو کفار قریش نے پیش کی تھیں۔ اور بظاہر بے نیل و مرام بغیر خانہ کعبہ کے طواف اور

زیارت کے مدینہ لوٹ آئے۔ ظالموں نے حرم میں داخل ہو کر قربانیاں بھی ذبح نہ کرنے دیں۔

بعض اکابر صحابہ رضی نے عرض کی یا رسول اللہ لِمَ نومن الدنیّۃ فی دیننا۔ ہم دینی طور پر اتنا کیوں جھکیں۔ اَلَسْنا علی الحق کیا ہم صداقت پر قائم نہیں؟ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہنا پڑا۔ عمرؓ اس ہاتھ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب میں رکھا ہے ڈھیلا نہ ہونے دو۔ عمرؓ کے استفسار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انا عبد اللہ و رسولہ لن اخالف امرہٗ ولن یضیعنی۔

(ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۲)

میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ اس کے حکم کی سرتابی نہیں کر سکتا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ یہی معاہدہ پھر فتح مکہ پر منتج ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی وقت فتح مبین قرار دیا تھا۔

خدا کی رضا پر راضی رہنے والوں، اپنے آپکو عبدیت کے مقام پر رکھنے والوں، خدا کی بظاہر تلخ تقدیروں کو قبول کرنے والوں پر ہی فتح کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

کان دھریئے، سنیئے آسمانی قرنا سے آواز بلند ہو رہی ہے:۔

وَلن تجدَ لِسُنّۃِ اللہ تبدیلاً۔

ولا تعجلوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین وبعزتی وجلالی اِنّکَ انتَ الاعلیٰ۔

اور تو خدا کی سُنّت میں تبدیلی نہیں پائیگا تعجب مت کر اور غمناک مت ہو۔ تم ہی غالب ہوگے اگر تم ایمان پر ثابت قدم رہے۔ اور مجھے میرے عزت اور جلال کی قسم ہے کہ غلبہ تجھی کو ہے۔

(تذکرہ صفحہ ۲۹۱-۲۹۲)

یا ربّ محمدٍ صلّ علیہ و آلہٖ الی الابد
واعفُ عنّا وارضَ عنّا وافرغ علینا صبراً
وثبّت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین
آمین یا ربّ العٰلمین

○

- دُعا خشک لکڑی کو سرسبز اور مُردہ کو زندہ کر سکتی ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۱۲۱)
- راتوں کو اُٹھو اور دعا کرو کہ اللہ تم کو اپنی راہ دکھلائے۔ (ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۲۴)
- انسان کا فقط یہ کام ہے کہ اپنی خودی پر موت وارد کرے اور اس شیطانی نخوت کو چھوڑ دے کہ میں علوم میں پرورش یافتہ ہوں۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۴)
- تم ایسے ہو جاؤ کہ خدا تعالےٰ کے ارادے تمہارے ارادے ہو جائیں۔ (ملفوظات جلد دہم صفحہ ۱۴۲)

روزہ کے مسائل

اسلامی عبادات کا ایک اہم رُکن روزہ ہے روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں تزکیہ نفس، اس کی اصلاح اور قوتِ برداشت کی تربیت مدنظر ہوتی ہے ۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں"۔
(فتاویٰ مسیح موعود صـ۱۳۷)

صَوم (روزہ) کے لغوی معنی رُکنے اور کوئی کام نہ کرنے کے ہیں ۔ شرعی اصطلاح میں طلوعِ فجر (صبح صادق) سے لے کر غروب آفتاب تک عبادت کی نیت سے کھانے، پینے اور جماع سے رُکے رہنے کا نام صَوم یا روزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (البقرة : ۱۸۸)

(رات کے وقت) کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہیں سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے یعنی فجر طلوع ہو جائے تو اس کے بعد رات آنے تک سارا دن روزہ کی تکمیل میں لگے رہو۔

خدا کی خاطر اور اس کی رضا کے حصول کے لئے کھانے پینے اور جنسی خواہش سے رُکنے کا حکم ہر قسم کی بُرائیوں سے بچنے کے لئے بطور علامت ہے۔

روزہ کی غرض :۔

روزہ اصلاحِ نفس کا ذریعہ ہے کیونکہ جہاں انسان خدا کی خاطر لذّات کو ترک کر دیتا ہے وہاں اسے اپنے نفس کو زیادہ سے زیادہ نیکی پر قائم کرنے اور ہر قسم کی حرام اور نجس چیزوں سے پرہیز کی کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب فرماتے ہیں :۔

"روزوں کی غرض کسی کو بھوکا یا پیاسا مارنا نہیں ہے ۔ اگر بھوکا مرنے سے جنّت مل سکتی تو مَیں سمجھتا ہوں کافر سے کافر اور منافق سے منافق لوگ بھی اس کے لینے کے لئے تیار ہو جاتے کیونکہ بھوکا پیاسا مر جانا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ درحقیقت

مشکل بات اخلاقی اور روحانی تبدیلی ہے
..... رمضان کی اصل غرض یہ ہے کہ
اِس ماہ میں انسان خدا تعالیٰ کے لیئے ہر
ایک چیز کو چھوڑنے کے لیئے تیار ہو جائے۔
اس کا بھوکا رہنا علامت اور نشان ہوتا
ہے اِس بات کا کہ وہ اپنے ہر حق کو خدا
کے لیئے چھوڑنے کے لیئے تیار ہے۔
کھانا پینا انسان کا حق ہے۔ میاں بیوی
کے تعلقات اس کا حق ہے۔ اس لیئے جو
شخص اِن باتوں کو چھوڑتا ہے وہ یہ بتاتا
ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے لیئے اپنا حق
چھوڑنے کے لیئے تیار ہوں۔"

(الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۵-۶)

روزہ کس پر فرض ہے :-

ماہ رمضان کے روزے رکھنا اللہ تعالےٰ کی
طرف سے ہر عاقل بالغ تندرست مومن مرد، عورت
پر فرض کیا گیا ہے۔ ایک دن کا روزہ بھی عمداً
بلا کسی شرعی عذر کے ترک کرنا بڑا گناہ ہے جس کی
تلافی تمام عمر کا روزہ رکھ کر بھی نہیں ہوسکتی۔
جو شخص مسافر ہو یا بیمار اس کے لیئے رخصت
ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں روزے پورے
کرے جو دائم المریض یا بہت بوڑھا اور ضعیف
ہو گیا ہو اُس پر روزہ فرض نہیں ہے۔ ایسے معذور
لوگ ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ یہی
حکم حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کا ہے۔
اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ
وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ
طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ (البقرة: ۱۸۵)

تم میں سے جو شخص مریض ہو یا مسافر
ہو اور سفر میں ہو تو اُسے اور دنوں میں
تعداد پوری کرنی ہوگی۔ اور ان لوگوں پر
جو اِس یعنی روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے
ہوں بطور فدیہ ایک مسکین کا کھانا دینا
بشرطِ استطاعت واجب ہے۔

سفر میں روزہ کی چار صورتیں :-

۱۔ اگر سفر جاری ہو یعنی پیدل یا سواری پر۔ اور
چلتا چلا جا رہا ہو تو روزہ نہ رکھے کیونکہ اس صورت
میں روزہ چھوڑنا ضروری ہے۔
۲۔ اگر سفر کے دوران کسی جگہ رات کو ٹھہرنا ہے اور
سہولت میسر ہے تو روزہ رکھا جا سکتا ہے۔
یعنی روزہ رکھنے اور نہ رکھنے دونوں کی اجازت
ہے جبکہ دن بھر وہاں قیام ہے۔
۳۔ سحری کھانے کے بعد گھر سے سفر شروع ہو اور
افطاری سے پہلے پہلے سفر ختم ہو جائے یعنی
گھر واپس آجانے کا ظنّ غالب ہو تو روزہ
رکھ سکتا ہے۔
۴۔ اگر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنا
ہے تو وہاں سحری کا انتظام کیا جائے اور روزہ
رکھا جائے۔

... ...

روزہ کب رکھا جائے گا :۔

رمضان کی ابتدار چاند دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اگر مطلع صاف نہ ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کریں اور پھر روزے شروع کریں۔ چاند کے دیکھے جانے کے بارے میں اگر یقینی اطلاع دوسری جگہ سے مل جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ اسی طرح چاند دیکھ کر ہی رمضان کا اختتام ہوتا ہے۔ اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو رمضان کے تیس دن پورے کرے سوائے اس کے کہ کسی جگہ سے چاند کے دیکھے جانے کی یقینی اطلاع موصول ہو جائے۔

نواقضِ روزہ :۔

عمداً کھانے پینے اور جماع یعنی جنسی تعلق قائم کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ انیما کروانے، ٹیکہ کروانے اور جان بوجھ کر قے کرنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حدیث میں ہے :۔

مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْئُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمَدًا فَلْيَقْضِ "

(جامع ترمذی باب مَنِ استقاء عمداً)

ترجمہ:۔ اگر کسی روزہ دار کو بے اختیار قے آجائے تو اس پر روزہ کی قضاء نہیں لیکن جو روزہ دار جان بوجھ کر قے کرے وہ روزہ کی قضاء کرے۔

رمضان کا روزہ عمداً توڑنے والے کے لیئے اُس روزہ کی قضاء کے علاوہ کفارہ (یعنی بطور سزا) ساٹھ روزے متواتر رکھنا بھی واجب ہے۔

اور اگر روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو اپنی حیثیت کے مطابق ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلانا اکٹھے بٹھا کر یا متفرق طور پر یا ایک غریب کو ہی ساٹھ دن کے کھانے کا راشن دے دینا یا اس کی قیمت ادا کرنا کافی ہے۔

اگر کھانا کھلانے کی بھی استطاعت نہ ہو تو اُسے اللہ تعالیٰ کے رحم اور اُس کے فضل پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور توبہ و استغفار کرنی چاہیئے۔

وہ امور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا :۔

اگر کوئی بھول کر کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ علیٰ حالہ باقی رہے گا اور کسی قسم کا نقص اس کے روزہ میں واقع نہیں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

اِذَا نَسِيَ اَحَدُكُمْ فَاَكَلَ اَوْشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔

(بخاری کتاب الصوم۔ باب الصائم اذا اکل او شرب ناسیًا)

اگر کوئی شخص بھول کر روزہ میں کھا پی لے تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسکو اللہ تعالیٰ کھلا پلا رہا ہے۔

اگر بلا اختیار حلق میں یا پیٹ میں دھواں، گرد و غبار، مکھی، مچھر اور کلی کرتے وقت چند قطرے پانی چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اسی طرح کان میں پانی جانے یا دوا ڈالنے، بلغم نگلنے، بلا اختیار قے آنے، نکسیر پھوٹنے، دانت سے خون جاری ہونے، چیچک کا ٹیکہ لگوانے، مسواک یا برش کرنے، خوشبو سونگھنے، ناک میں دوا چڑھانے، سر یا داڑھی میں تیل لگانے، بچے یا بیوی کا بوسہ لینے، دن کے وقت سوتے میں احتلام ہو جانے یا سحری کے وقت غسل جنابت نہ کر سکنے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزہ نہ رکھنے والے :۔

رمضان کا روزہ بلا عذر یا معمولی معمولی باتوں کو عذر بنا کر ترک کرنا درست نہیں۔ ایسے لوگ جو جان بوجھ کر روزہ نہیں رکھتے ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

"مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ فَلَا یَقْضِیْهِ صِیَامُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ وَلَا صَامَ الدَّهْرَ"

(مسند دارمی باب مَن افطر یوماً من رمضان متعمّداً)

جو شخص بلا عذر رمضان کا ایک روزہ ترک کرتا ہے وہ شخص اگر بعد میں تمام عمر اس روزہ کے بدلہ میں روزے رکھے تو بھی بدلہ نہیں چکا سکے گا اور اس غلطی کا تدارک نہیں ہو سکے گا۔

حضرت فضل عمر نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں :۔

"میرے نزدیک ایسے لوگ بھی ہیں جو روزہ کو بالکل معمولی حکم تصور کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وجہ کی بناء پر روزہ ترک کر دیتے ہیں بلکہ اس خیال سے بھی کہ ہم بیمار ہو جائیں گے روزہ چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ کوئی عذر نہیں کہ آدمی خیال کرے میں بیمار ہو جاؤں گا۔۔۔۔۔ روزہ ایسی حالت میں ہی ترک کیا جا سکتا ہے کہ آدمی بیمار ہو اور وہ بیماری بھی اس قسم کی ہو کہ اس میں روزہ رکھنا مضر ہو۔"

(الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۲۵ء)

روزوں کی اقسام :۔

روزوں کی مختلف اقسام ہیں جن کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

۱۔ فرضی روزے :۔

یہ وہ روزے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر فرض کیے ہیں اور یہ صرف رمضان شریف کے روزے ہیں۔

۲۔ نفلی روزے :۔

یہ وہ روزے ہیں کہ اگر انسان روزہ رکھ لے تو ثواب ملتا ہے اور اگر نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے نفلی روزے رکھا کرتے تھے۔ نفلی روزے یہ ہیں :۔

ماہ شوال کے شروع میں چھ روزے، چاند کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کا روزہ، عرفہ کے دن کا روزہ (۹ ذی الحجہ)۔ محرم کی نویں یا دسویں تاریخ کو یا ہر دو دن کے روزے، ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن

افطار کرنا۔

۳۔ کفّارہ کے روزے :۔

یہ وہ روزے ہیں جو کسی حکم کے توڑنے کی وجہ سے یا کسی فرض کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے مقرر ہیں تاکہ اس گناہ کا کفارہ ادا ہو۔ کفّارہ کے روزے حسب ذیل ہیں :۔

(۱) اگر کوئی شخص قسم کھائے اور پھر اس کو توڑ دے تو اس پر لازم ہے کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کپڑے پہنائے یا غلام آزاد کرے۔ اگر ان کی طاقت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے۔

(۲) اگر کوئی شخص رمضان کا روزہ عمداً توڑ دے یا کسی مومن کو غلطی سے قتل کرے اور دیت ادا کرنے کے علاوہ غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ ساٹھ روزے رکھے۔

(۳) جو شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اگر ان کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔

(۴) اگر کوئی شخص حج اور عمرہ کرے اور قربانی نہ کر سکے تو وہ دس روزے رکھے۔ تین مکہ معظمہ میں اور سات جب اپنے گھر میں واپس آئے۔

(۵) اسی طرح جس شخص نے احرام باندھا ہو لیکن کسی تکلیف کی وجہ سے احرام کی حالت میں سر منڈوائے تو اس کے کفّارہ میں تین روزے رکھے۔

۴۔ قضاء کے روزے :۔

اگر رمضان کا کوئی روزہ رہ گیا ہو تو رمضان کے بعد اُس کی قضاء فرض ہے۔

۵۔ نذر کے روزے :۔

اگر کوئی نذر مانے کہ وہ اتنے روزے رکھے گا تو نذر کو پورا کرنا فرض ہے۔

مغفرت کا مہینہ

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیُّ لَیْلَۃٍ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْھَا؟ قَالَ قُوْلِی اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے رسول اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو اس میں میں کیا دعا مانگوں؟ اس پر حضور نے فرمایا تم یوں دعا کرنا۔ اے میرے خدا تو بخشنے والا ہے، بخشش کو پسند کرتا ہے مجھے بخش دو اور میرے گناہ معاف کر دو۔

اہلِ ننکانہ کے نام

بے سبب عداوت ہیں، ظلم ہیں، شقاوت ہیں
کجروی کی وحشت ہیں، گمرہی کی ظلمت ہیں
آتشِ بُولہبی کو کچھ نظر نہیں آتا
آگ و خاک کا طوفاں

میری چشمِ تر حیراں
کچھ نظر نہیں آتا
جی سنبھل نہیں پاتا
اس اُداس منظر میں
میرے اَدھ جلے گھر میں
چشمِ دل نے وا ہو کر
جھونپڑی کے ملبے پر
اِک ایوان دیکھا ہے
دشتِ دُود و آتش پر
گلستان دیکھا ہے

(مبشّر احمد محمود)

سنگ نوردی

ڈاڈر سے سیف الملوک تک

مکرم نصیر احمد صاحب انجم شاہد
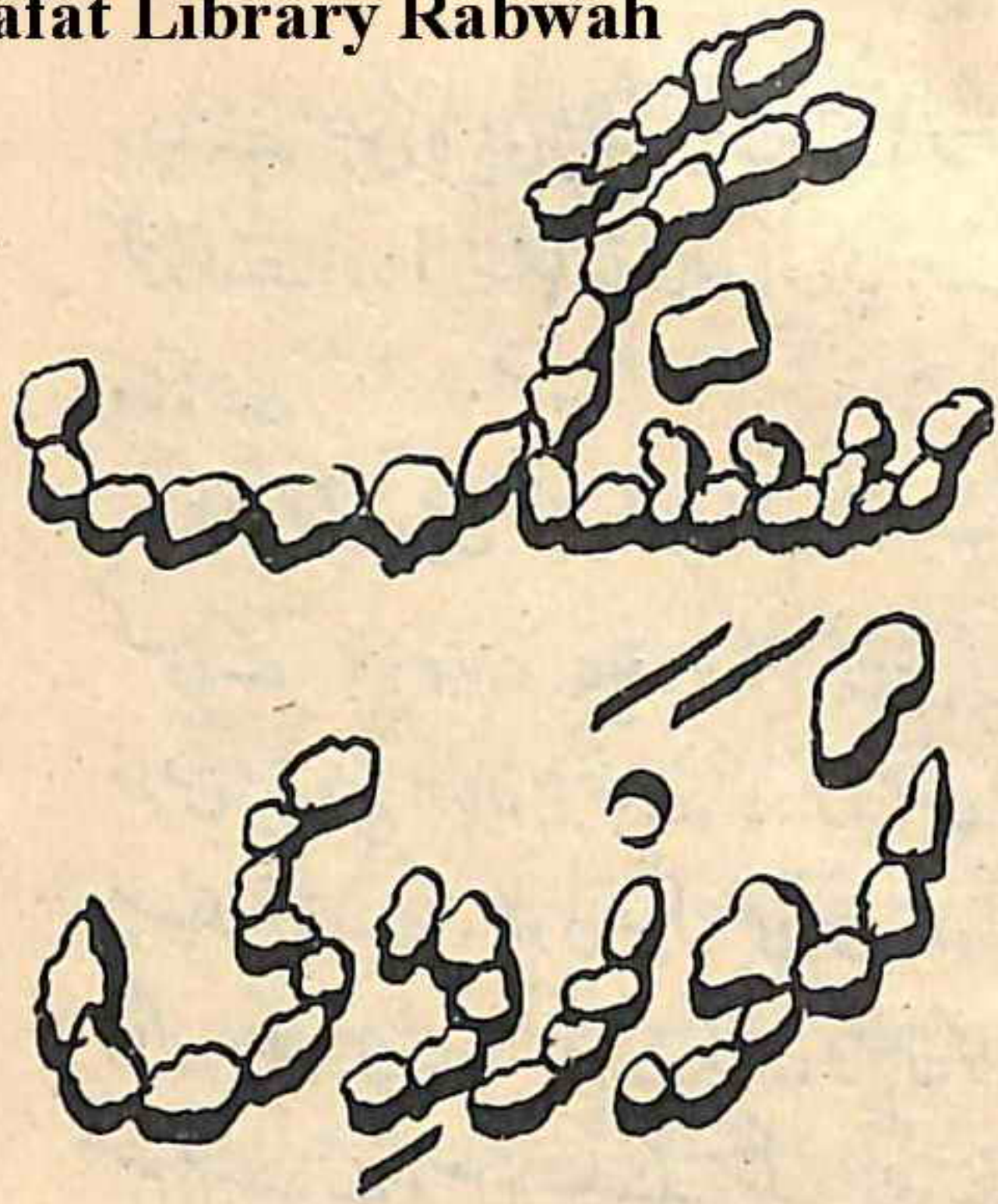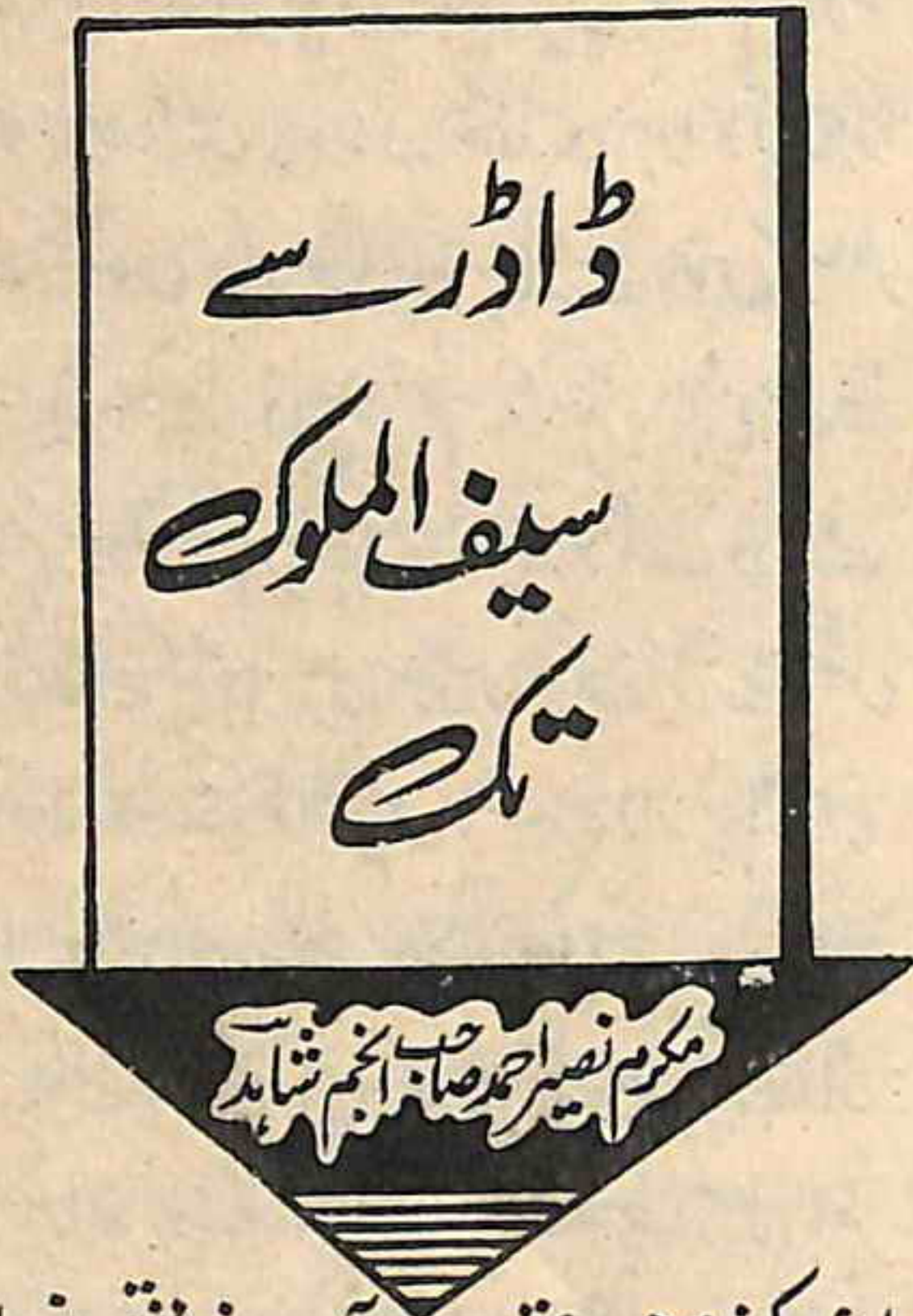
میدانی علاقوں میں اپنی من مرضی سے خاک چھانیں تو اسے خاک نوردی کہتے ہیں لیکن ہمیں اپنی ایڈونچر پسند طبیعت کے باعث یہ شوق ذرا بلندی پر اور پتھروں اور پہاڑوں میں جا کر چرایا لہٰذا اِس مضمون کا نام سنگ نوردی رکھتا ہوں ۔ (بابائے اردو سے معذرت کے ساتھ)

تو صاحبو! ہماری داستان کا آغاز یکم جون ۱۹۸۸ء کے ایک گرم دن سے ہوتا ہے جب جامعہ احمدیہ کی آخری کلاس "درجہ شاہد" کے کل آٹھ طلباء تیاری میں مصروف تھے۔ شام تک سب نے تیاری مکمل کرلی اور حسبِ پروگرام سب کے سب ربوہ ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر چناب ایکسپریس سے قبل ہی پہنچ گئے ۔ سفر اور سفر بھی سیر سپاٹے کا ہو اس لیے جوش و خروش ہونا لازمی تھا۔ یہ کیفیت اپنے عروج پر تھی کہ چناب کی وِسل پر ہمارے کان کھڑے ہوئے ۔ محترم وائس پرنسپل صاحب ہمیں الوداع کہنے موجود تھے ۔ آپ نے مختصر نصائح کیں اور دعا کرائی اور دوسرے ہی لمحے ہم سب کمپارٹمنٹ میں داخل ہو' اپنی سیٹوں پر براجمان تھے ۔

چناب کا انجن چھک چھک کرتا اور دھوئیں کے بادل بناتا ہوا ہمیں ربوہ سے دور کرتا جارہا تھا اور رات تین بجے ہم راولپنڈی کے سٹیشن پر اپنے بیگ اتار رہے تھے ۔ چاندنی رات تھی جب ہم ٹیکسی پر سوار بیت النور پہنچے دھیرے دھیرے قدموں سے البیت کی گیلری میں جاگزیں ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نمازِ فجر ادا کی گئی اور ہم رات کے جاگے ہوئے صفوں پر ہی محوِ استراحت ہو گئے ۔ بیدار ہونے کے بعد چند دوست شاپنگ کرنے راجہ بازار نکل گئے ۔ انکی واپسی پر ۱۰ بجے ہم پیر ودھائی بس سٹاپ سے مانسہرہ جانے والی جی ٹی ایس کی بس پر سوار ہوئے ۔ جونہی بس ایبٹ آباد

کی حدود میں داخل ہوئی یکبار ہمیں موسم میں خوشگوار تبدیلی کا احساس ہوا اور ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا ہمارے نتھنوں سے ہوتا ہوا ہمارے دلوں کو معطر کر گیا۔ بارہ بجے دوپہر ہم مانسہرہ پہنچ چکے تھے یہ خاصا پُر رونق شہر ہے۔ سفید رنگت والے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس لوگ بڑے خوش مزاج اور دوست نواز ہیں۔ سبزہ زار پہاڑوں میں گھرا ہوا یہ شہر مجھے بہت بھایا۔

یہاں سے سہ پہر کو ہم بذریعہ ویگن ڈاڈر کے لیے روانہ ہوئے۔ مانسہرہ سے چند میل باہر نکل کر دریائے سیرن شروع ہو جاتا ہے۔ ایک طرف پہاڑوں پر اونچے اونچے سبز درختوں کے گھنے جنگلات ہیں اور دوسری جانب سینکڑوں فٹ نیچے دریا ہے درمیان میں بل کھاتی ہوئی سڑک پر ویگن بھاگی چلی جارہی تھی۔ موسم خاصا خوشگوار تھا سورج کبھی کبھی ہلکے بادلوں کے پیچھے چہرہ چھپا لیتا اور کبھی بادلوں کا نقاب ہٹا کر چہرہ نمائی بھی کراتا۔ اسی طرح قدرت کے دلفریب نظاروں سے حظ اٹھاتے اور ڈوبتے سورج کا نظارہ کرتے ہم اپنی پہلی منزل ڈاڈر پہنچ چکے تھے۔ ہمارا یہ سفر سوا گھنٹے پر مشتمل تھا۔

ڈاڈر ۳۹۰۰ فٹ بلند ایک خوبصورت وادی ہے چیڑ کے درختوں کی بہتات ہے۔ یہاں ایک عظیم الشان ٹی بی سینیٹوریم بھی ہے جو فرنگیوں کے عہد کی یاد دلاتا ہے۔ ہم رات گئے تک وادی میں گھومتے رہے۔ نیچے دریا ہے جس کا پانی پتھروں سے ٹکرا کر شور مچاتا گزرتا ہے اور آنے جانے والوں کو اپنا احساس دلاتا ہے۔

لوگوں میں خلوص موجود ہے خصوصاً اگر آپ کسی کے PAYING GUEST بن جائیں تو اس خلوص میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ رہائش کا یہاں مسئلہ نہیں ہے۔ معمولی ہوٹل بھی ہیں۔ اور ایک ڈاک بنگلہ بھی ہے۔ ہم نے بکنگ تو نہیں کرائی تھی تاہم ہم سب کے پاس سلیپنگ بیگ موجود تھے اور ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں بیگ بچھائے اور ان میں گھس گئے اور خاکساری کا عملی ثبوت دیا۔ جلد ہی نیند کی دیوی ہمیں تھپتھپانے لگی اور

ع پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

صبح نمازِ فجر پر بیداری ہوئی۔ نماز اور ناشتہ کے بعد ہم نے بطور نشانی ایک گروپ فوٹو بھی لیا اور پھر کمر پر بیگ اور جذبوں کی کمر ہمت کسنے لگے یہاں سے ہم نے باقاعدہ ہائیکنگ کا آغاز کیا۔ پہلا دن تھا۔ شوق جوان تھا اور عزم صمیم تھا۔ ڈاڈر پر اچٹتی ہوئی الوداعی نگاہ ڈال کر ہم خراماں خراماں وادی کنڈ کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ سفر مسلسل چڑھائی پر مشتمل ہے۔ ڈاڈر سے ایک شارٹ کٹ چشمے کے ساتھ ساتھ کنڈ تک جاتا ہے۔ یہ راستہ قدرے کشادہ اور آسان ہے لیکن ہماری شومئی قسمت کہ ایک مقام پر ہم نے چشمہ والا راستہ چھوڑ دیا اور اپنے زعم میں ایک نیا شارٹ

کٹ دریافت کرنی ٹھانی لیکن کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہم اچھے خاصے پھنس چکے ہیں مسلسل چڑھائی تھی اور مصیبت یہ تھی کہ چھوٹے چھوٹے پتھر تھے جن پر بوجھ ڈالتے تو وہ تارِ عنکبوت ثابت ہوتے اس پر مستزاد یہ کہ زمین پر موجود چیڑ کے درختوں کے تنکے پاؤں ٹکنے نہ دیتے تھے اور پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے گویا

ع نہ جائے رفتن اور نہ پائے ماندن

والی کیفیت تھی۔ سب کی شوخیاں لاحول اور استغفار میں ڈھل چکی تھیں اور بڑے بڑے چنچل بھی سقراط اور افلاطون کی سی سنجیدگی چہروں پر طاری کیے ہوئے تھے ہر کوئی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا لیکن خاکسار نے ایک نازک مقام پر جونہی ہاتھ ڈالا تو وہ پتھر میرے چھونے سے چھوئی موئی بن گیا اور قریب تھا کہ میں ۱۵ فٹ گہرے گھڈ میں جا گرتا (اور پھر شاید اس مضمون کو کوئی اور لکھتا) اچانک ایک ساتھی کی نظر مجھ پر پڑی۔ اللہ عمر دراز کرے اسکی اس نے میرا ہاتھ تھاما جبکہ اس کا دوسرا ہاتھ ایک مضبوط پتھر کا سہارا لے چکا تھا۔ یوں ہم موت کے منہ سے نکلے۔ اب ہم شش و پنج میں مبتلا تھے کہ مشرق کی طرف جائیں یا مغرب کو سدھاریں کہ خدا نے ہماری سن لی۔ بکریاں چراتی ہوئی ایک عورت ادھر آنکلی اس نے ہماری شکلیں دیکھ کر ہماری مصیبت بھانپ لی اور اشارے سے بتایا کہ فلاں طرف جاؤ وہاں اصل راستہ مل جائے

گا۔ کافی تگ و دو کے بعد راستہ مل گیا۔ اور ہم قریباً ساڑھے بارہ بجے کنڈ بنگلہ جا پہنچے۔ یہاں ایک وسیع سبزہ زار ہے عمدہ گراسی پلاٹ بنے ہوئے ہیں سب تھکن سے چُور تھے جاتے ہی نرم نرم گھاس پر گھنے درختوں کی چھاؤں تلے لیٹ گئے تھوڑی دیر بعد سب نیند کی آغوش میں تھے۔ جب بیدار ہوئے تو پیٹ میں چوہے ناچ رہے تھے صبح کا ناشتہ کیا ہوا تھا اور راستے میں صرف بسکٹوں، دال اور گلوکوز پر ہی گزارہ کیا تھا۔ یہاں نہ کوئی ہوٹل ہے اور نہ زیادہ آبادی ہے صرف چند گھر ہیں ہم بھی ان کے PAY-ING GUEST بن گئے۔ سودا مہنگا نہیں تھا۔ ۹۰ روپے میں آٹھ افراد کا تین وقت کا کھانا، (اگرچہ غیر معیاری تھا) اور رہائش کے لیے ایک کمرہ مل گیا۔

یہاں ہمیں ایک جرمن دوست ملے جو یونیورسٹی کے فائنل ایئر کے طالبعلم تھے اور جنگلات کی تحقیق پر اپنا مقالہ لکھ رہے تھے اور ایک ماہ سے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور جنگل میں رہ کر اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے تھے اور باقاعدہ ایک مختصر سی نرسری بنا رکھی تھی جہاں وہ ریسرچ کرتے تھے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ مسلسل محنت میں ہی مغربی اقوام کی ترقی کا راز پنہاں ہے۔

کنڈ بنگلہ ۱۹۳۰ء میں تعمیر کیا گیا اسکی بلندی ۸۲۰۰ فٹ ہے۔ شام تک ہم نے وادی کا چکر لگا لیا تھا اور شام ڈھلتے ہی فضا میں خنکی بڑھ گئی اور ہمیں

جیکٹیں زیب تن کرنا پڑیں لیکن پھر بھی سردی محسوس ہوتی رہی ۔ میں نیرنگئ قدرت پر انگشت بدنداں تھا کہ ان دنوں اپنے پنجاب والے پسینے میں نہاتے ہیں اور یہاں شدید سردی ہے ۔ یہاں سے "موسیٰ کا مصلّیٰ" اور "ماکڑا" کی چوٹیاں نظر آتی ہیں رات ان چوٹیوں پر خوب برف باری ہوئی ۔ اور یہ رات سلسلے سفر کی سرد ترین رات تھی۔

اگلی صبح ۸ بجے ہم دوبارہ عازمِ سفر ہوئے آج ہماری منزل خاصی دور تھی ہمیں ۱۵ کلومیٹر سفر کرنا تھا اور چڑھائی بھی تھی ۔ ہم سطح سمندر سے ۸۰۰۰ فٹ بلند تھے اور رات کی بارش کے باعث یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں اور ہمارے کان اور ہاتھ سُن ہو رہے تھے ایسے میں اچانک موسلادھار بارش کی سی آواز آنے لگی لیکن قطرات زمین پر نہیں گرتے تھے ۔ جب ہم نے اس معمہ پر غور کیا تو پتہ چلا کہ یہ بارش نہیں بلکہ تیز ہوا کے چلنے سے درختوں کے پتے ٹکرانے کی آواز ہے ۔

راستے میں ہماری ملاقات ایک چھریرے بدن اور سانولی رنگت والے یوسف سے ہوئی اس کے گرد آلود ہاتھوں میں ایک سلور کی بانسری تھی ۔ ہماری فرمائش پر جب بانسری اس کے ہونٹوں سے چھوئی تو فضا موسیقیت اور ترنم سے جھوم اٹھی اور یوسف کافی دیر تک ہمارے کانوں میں رس گھولتا رہا بلاشبہ وہ اپنے فن کا ماہر تھا ۔

کچھ دیر بعد پھر چل پڑے وہی جنگل پگڈنڈی اور ہم تھے ۔ منزل ابھی خاصی دور تھی ۔ خدا خدا کر کے "شادن گلی" آئی ۔ اور اسکے بائیں جانب کچھ فاصلے پر "شہید پانی بنگلہ" ہے یہاں سے ایک راستہ موسیٰ کے مصلّے کو بھی جاتا ہے ۔ ہم اسے چھوڑتے ہوئے دائیں جانب مڑ گئے ۔ ابھی مزید پانچ کلومیٹر باقی تھے ۔ موسم آج ابر آلود تھا کبھی بارش بھی ہونے لگتی ۔ ایسے ہی موسم کا مزا اٹھاتے ہم رواں دواں تھے ۔ سارا دن موسیٰ کا مصلّے اور ماکڑا کی چوٹیاں ہمیں نظر آتی رہیں ۔ یہ برف پوش ہیں سارا سال برف جمی رہتی ہے جیسے کسی نے سفید براق روپہلی چادر پہنا دی ہو ۔

راستے میں ہمیں کئی گلہ بان ملے جو کاغان سے ہزارہ بلکہ پنڈی تک سفر پیدل اپنے ریوڑوں کے ساتھ کرتے ہیں اور پھر ادھر لا کر جانور فروخت کر دیتے ہیں ۔

شام ساڑھے چار بجے تلاش بسیار کے بعد ہم ندی بنگلہ پہنچے ۔ چونکہ یہ عام راستے سے ہٹ کر گھنے درختوں میں چھپا ہوا ہے اسلیے اسے ڈھونڈنے میں دقت پیش آتی ہے ۔ یہاں کے لوگ بہت مخلص ثابت ہوئے اور دو ٹائم دال روٹی انہوں نے ہمیں مفت فراہم کی رہائش کے لیے کمرہ بھی دیدیا ۔

ان جنگلات میں بندر عام ملتا ہے اور لوگوں کے مطابق یہاں شیر اور چیتا بھی پایا جاتا ہے ۔ تاہم ہمیں کسی کی ملاقات نصیب نہیں ہوئی ۔

اگلے دن علی الصبح وہاں سے "وشڑاں بنگلہ"

کیلئے روانہ ہوئے یہاں سے بھی ایک شارٹ کٹ ہے۔ جو "کٹھا" کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور وادی کے درمیان میں سے گزرتا ہے (کٹھا مقامی زبان میں پہاڑی نالے کو کہتے ہیں)۔ واضح رہے کہ یہاں اکثر آبادی "گجر" خاندان کی ہے اور انکی زبان ہندکو ہے یہاں کے لوگوں کی رفتار ہم سے بہت زیادہ ہے اسلیئے ہم نے اگر فاصلہ دریافت کرنا ہوتا تو کسی کم سن بچے سے پوچھتے کیونکہ اس کی رفتار ہم میدانی علاقوں کے گبھرو جوانوں کے برابر ہوتی ہے۔

سفر جاری تھا ندی شنڑاں کا فاصلہ قریباً ۱۲ کلومیٹر ہے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ کثیر تعداد میں "پیلو" کی جھاڑیاں تھیں۔ چنانچہ ہم نے سنّتِ رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے کالے کالے پیلو بہت کھائے (ہمارے آقاؐ کو بھی یہ بہت پسند تھے) ہاتھ میں پکڑ کر دبائیں تو ایسے لگتا ہے جیسے انگلی زخمی ہو گئی بالکل خون کے مشابہ رس بہہ پڑتا ہے جو مزے میں لذیذ ہوتا ہے۔

ہماری شروع سے یہ خواہش تھی کہ پھلدار درخت نصیب ہوں آج سے پہلے تو چیڑ کے درخت ہی تھے جن پر اس موسم میں سوائے پتوں کے اور کچھ نہ تھا۔ لیکن آج اخروٹوں کے درخت قطار اندر قطار نظر آ رہے تھے جن پر کچے اخروٹوں کے گچھے بکثرت تھے اور انہیں توڑ توڑ کر کھانے کی حسرت لیئے صرف ان کا دیدار کرتے ہم آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے سرِ راہ ہم نے کٹھے پر چلنے والی ایک پن چکّی دیکھی۔ پانی کے زور سے ایک بڑی گول لکڑی گھومتی اور اس کے اوپر نصب پتھر گھومتا اور گندم اور مکئی کو آٹے میں تبدیل کرتا جاتا۔

دوپہر کے قریب ہم تنگ گلی پہنچے (گلی مقامی زبان میں درّے کو کہتے ہیں) یہاں سے دائیں جانب ایک پکی سڑک پارس کو جاتی ہے اور بائیں جانب کا راستہ شنڑاں جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے کبھی خاموشی کے ساتھ اور کبھی ایکدوسرے پر تبصرے کرتے ہم ان مرغزاروں کو پار کرتے ہوئے شنڑاں پہنچ ہی گئے۔ خوبصورتی میں یہ وادی اپنی مثال آپ ہے۔ V (وی) شکل میں گھنے درختوں میں گھرا ہوا سبزہ زار ہے۔ یہاں پر ایک یوتھ ہوسٹل اور ایک ڈاک بنگلہ بھی ہے۔

کچھ دیر آرام کے بعد ہرن جیسی چستی عود کر آئی اور ہم وادی کو کھنگالنے لگے۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام یہ تھا کہ یہاں سے واپسی اگر کوئی ٹرک وغیرہ مل جائے (جو لکڑیاں کاٹ کر واپس لے جاتے ہیں) تو اس پر واپسی ہوگی ورنہ رات یہاں گزار کر پیدل ہی جائیں گے۔

ٹرک تو نہ ملا البتہ ایک جیپ مل گئی جو دو صد روپے میں ہمیں دریائے کنہار تک پہنچانے کیلئے تیار تھی۔ ابھی ہم لوگ وادی کو اچھی طرح دیکھ بھی نہ پائے تھے کہ امیرِ قافلہ نے حکم صادر فرمایا کہ جیپ ابھی واپس جا رہی ہے لہذا رختِ سفر باندھو ابھی کوچ کرنا ہے۔ اور جیپ کی آخری سیٹ پر

بیٹھتے ہوئے میرے لب یہ گنگنا رہے تھے
ع روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

شنڑاں سے پارس کا کچا راستہ انتہائی خطرناک ہے (جیپ پر) مستنز ادیہ ہے جیپ سٹارٹ ہوئی تو بارش بھی شروع ہوئی اور جیپ کی رفتار سے زیادہ رفتار کے ساتھ برسنے لگی

چند فٹ چوڑی سڑک جس میں کھڈ بھی تھے دائیں جانب گہرے کھڈ، بائیں جانب پہاڑ، جیپ بسا اوقات ایک طرف اتنی جھک جاتی کہ سب کا دل دھڑکنے لگتا بلکہ کلیجہ منہ کو آنے لگتا لیکن وہ ڈرائیور اس سے بے نیاز اپنے معمول کے سفر پر رواں دواں تھا۔ لیکن ہم نے سفر لاحول پڑھتے ہی گزارا۔ ننگ گلی سے آگے پکی سڑک اور مسلسل اترائی ہے لہذا ڈرائیور نے گاڑی کا انجن بند کر دیا اور آخر تک اپنا پٹرول بچاتا آیا۔ ہم شام سے قبل ہی پارس پہنچ گئے۔ دریائے کنہار کا پل زیر تعمیر ہے۔ اسلیئے جیپ نے ہمیں مغربی کنارے پر اتار دیا اور ہم پیدل چلنے والوں کے لیے بنائے جانے والے پل پر سے گزر کر پارس میں فروکش ہوئے۔ پارس ایک قصبہ ہے اشیائے ضرورت دستیاب ہیں یہ بالاکوٹ سے ناران جانے والی سڑک پر واقع ہے

ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں قیام کا انتظام کر کے ہم باہر نکل آئے۔ ۴ دن سے ہم بغیر نہائے سفر کر رہے تھے کیونکہ پہاڑی علاقوں میں پانی کی قلت تھی بلکہ کنڈ بنگلہ میں تو پانی کا کنستر مہیا کرنے پر اس نے ہم سے چند روپے بھی ہتھیا لیے تھے۔ لیکن یہاں پر گرم حمام کے بورڈ پر نظر پڑی تو ہم سب نے حمام کے سامنے لائن بنا دی اور حجام نے اکٹھے گاہک دیکھ اپنے پیلے زرد دانت نکالے گویا اس کی چاندی ہو گئی۔ ہم نے بھی غسل کر کے اپنے آپکو ہلکا پھلکا محسوس کیا اور پھر رات گئے تک سڑکیں ناپتے رہے۔

پارس دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر واقع ہے دریائے کنہار کے تین ماخذ ہیں۔ جھیل لولوپت سر، جھیل لالہ زار اور جھیل سیف الملوک ان کے اجتماع سے اور ہزاروں چشموں سمیت یہ دریا پاکستان سے گزر کر کشمیر میں داخل ہوتا ہے اور دریائے گنگا میں جا گرتا ہے۔

رات ہوٹل میں گزاری صبح ناشتہ کرنے کے بعد بذریعہ سوزوکی ہم ناران کے لیے روانہ ہوئے ہمارا یہ سفر ۵۰ کلومیٹر سے زائد مسافت کا تھا۔ دریائے کنہار کے ساتھ یہ سفر بہت دلچسپ تھا راستے میں ہم کاغان رکے وہاں سے آگے سڑک کچی ہے بہرحال ناران کے قریب پہنچے تو ہماری دیرینہ خواہش گلیشیئر دیکھنے کی بھی پوری ہوئی راستے میں بڑے بڑے گلیشیئر تھے بعض تو سڑک پر آ گرے تھے اور راستہ بند ہو گیا تھا اور گلیشیئر صاف کرنے والی مشین اسے کاٹ کاٹ کر دریا میں پھینک رہی تھی۔

ناران سے ہم اپنی نئی منزل سیف الملوک کے لیے روانہ ہوئے اس کے راستے میں دو بڑے

بڑے گلیشیئر آتے ہیں۔ یہاں سے بہر حال پیدل گزرنا پڑتا ہے (جون کے ایام میں) قریباً دو گھنٹے کی مسلسل اور مشقت آمیز چڑھائی کے بعد ہم سیف الملوک پہنچے یہ فاصلہ ۹ کلومیٹر تھا جھیل کی خوبصورتی کے بیان کے لیے الفاظ بالکل ناکافی ہیں۔ یہ چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ملکہ پربت کے پہاڑوں سے نکلنے والی یہ پیالہ نما برفانی جھیل بہت جاذب نظر ہے۔ اس کے گرد و نواح میں برف ہی برف ہے جیسے کسی نے زمین پر روئی کے گالوں کو ہموار سطح بنا دیا ہو۔ جھیل کے پانی میں جا بجا برفانی تودے موجود تھے۔ موسم شدید سرد تھا یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں ہم نے لاشعوری طور پر جیکٹوں کی زپیں چڑھا لیں اور ہاتھ پتلونوں کی جیبوں میں تھے۔ جھیل کے متعلق ایک صاحب نے بتایا کہ ٹنوں دھاگہ یہاں کھپایا گیا ہے لیکن تاحال اسکی گہرائی معلوم نہیں ہو سکی۔ دروغ برگردن راوی۔

جھیل کے کنارے کافی دیر تک لطف اندوز ہونے کے بعد ہم نے واپسی کی ٹھانی۔ اب کے مسلسل اترائی تھی اور از خود سب لوگ بھاگے جا رہے تھے۔ وہی دو گھنٹے کا سفر اس بار گھنٹے سے بھی قبل طے کر لیا۔

جب ہم چڑھائی چڑھتے تھے تو لگتا تھا کہ اترنا آسان ہے آج پتا چلا کہ یہ ہماری خام خیالی تھی۔ اونٹ سے کسی نے پوچھا کہ چڑھائی آسان ہے یا اترائی۔ اسنے کہا "بر ہر دو لعنت"، ہمیں اونٹ کی رائے سے مکمل اتفاق ہے چڑھتے وقت اگر سانس پھولنے لگتا ہے تو اترائی میں گھٹنوں کے جوڑ ڈھیلے ہونے لگتے ہیں۔

شام ڈھلے ہم ناران سے واپس پارس کے لیے روانہ ہو گئے اور رات ۸½ بجے پارس اپنے ہوٹل میں جا پہنچے۔

راستے میں ایک لطیفہ ہوا۔ دوران سفر ہمارا ایک خود ساختہ محاورہ چل پڑا تھا۔ جب بھی کوئی ساتھی مبالغہ آمیز بات منہ سے نکالتا فوراً سب پاؤں زور سے زمین پر مارتے کہ مارو مارو یہ اس نے سانپ چھوڑا ہے۔ ایسا ہی قصہ اسوقت ہوا جب ہم سوزوکی میں بیٹھے ہوئے تھے جب سب نے پاؤں مارے تو ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی ڈرائیور باہر نکلا اور بولا صاحب! کیا بات ہے ہم حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے اس نے وضاحت کی کہ ابھی آپ نے گاڑی کا فرش کھٹکھٹایا تھا چنانچہ میں نے گاڑی روک دی۔ تب ہم نے یکبار ایک فلک شگاف قہقہہ بلند کیا اب حیرت بننے کی باری اسکی تھی ہم نے اسے مختصر بات بتائی اور کہا چلتے چلو وہ بھی کھسیانی سی ہنسی ہنستے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا اور گاڑی ایک مرتبہ پھر فراٹے بھرنے لگی۔

اگلی صبح پھر ہماری ٹانگوں کا امتحان تھا۔ اب ہم نے شوگراں جانا تھا اصل راستہ تو کوائی سے جاتا ہے جو پارس سے چند کلومیٹر بالاکوٹ کی جانب ہے

لیکن پارس سے ایک شارٹ کٹ پہاڑی راستہ بھی ہے ہم نے یہی اختیار کیا اور ہرچہ بادا باد کہہ کر چل پڑے۔ قریباً ۱۰ کلو میٹر کا فاصلہ ہم نے ۳ گھنٹے میں طے کیا۔ راستے میں گھنا جنگل پڑتا ہے اور راستہ انتہائی خطرناک ہے باریک پگڈنڈی ہے جہاں بمشکل دو قدم آتے ہیں لیکن اس جنگل کو عبور کر کے ہم انتہائی دلکش اور وسیع سبزہ زار میں پہنچے تو ساری تھکن کافور ہو گئی۔ یہاں دوپہر گزار کر ہم بذریعہ سوزوکی وین کوائی آ گئے۔ اور یہاں سے بالاکوٹ جا پہنچے۔ اس علاقے میں پیر پرستی کا یہ عالم ہے کہ دورانِ راہ ڈرائیور نے اچانک ٹیپ بند کر دی پوچھنے پر بتایا کہ یہ میرے پیر کا علاقہ ہے اسی طرح ڈاڈر سے کنڈ کے راستے میں ایک صاحب نے بتایا تھا یہ راستہ اب متروک ہے کیونکہ ہمارے پیر نے کہا تھا یہ راستہ بدل لو چنانچہ ان پہاڑوں میں نیا راستہ بنایا گیا تھا۔

بالاکوٹ پٹھانوں کا شہر ہے۔ یہ حضرت سید احمد شہیدؒ کا شہر ہے۔ یہاں دریائے کنہار کے کنارے پر آپ کا مدفن ہے اور یہ زمین آپ کے لہو سے مشرف ہے آپ نے ۶ مئی ۱۸۳۱ء بروز جمعہ بالاکوٹ میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔

اسی طرح یہاں پر آپ کے ایک اور مرید باصفا حضرت سید اسماعیل شہیدؒ کا بھی سادہ سا مقبرہ ہے آپ نے بھی اپنے مرشد کے ساتھ جان خدا کی راہ میں نچھاور کر دی تھی۔ ہم نے ہر دو مزارات پر حاضری دی اور دعا مانگی۔

شام کو یہاں سے بذریعہ ویگن ہم مانسہرہ آ گئے اور رات ایک مخلص احمدی بھائی کے گھر میں بسر کی۔

صبح ناشتہ کرنے کے بعد مانسہرہ سے ایبٹ آباد پہنچے۔ یہ بھی صوبہ سرحد کا خوبصورت اور مصروف شہر ہے یہاں پر ایک وسیع و عریض ملٹری ٹریننگ کالج ہے اور یہاں کا گورنر ہاؤس پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ یہاں ہم نے "الیاسی مسجد" دیکھی جسکے عین درمیان سے ایک چشمہ پھوٹتا ہے اور اسمیں اس کثرت سے پانی سارا سال نکلتا ہے کہ وسیع مسجد میں ہر جگہ دستیاب ہے۔ علاوہ ازیں ہم شملہ پہاڑی کی سیر کے لیے بھی گئے۔

ایبٹ آباد سے ہم مری آن پہنچے۔ اس رات مری میں شدید بارش ہو گئی اور موسم خاصا سرد ہو گیا۔ یہاں بھی ہمارا قیام ایک مخلص احمدی کے ہاں تھا۔ اگلی صبح ہم مری کی مال روڈ پر آ گئے۔ مال روڈ پر جہاں دنیا بھر کی رنگینیاں جمع تھیں میری نظروں نے ایک ایسا نظارہ دیکھا جسے باقی شہر شاید نظر انداز کر رہا تھا۔ ایک طرف تو چمکیلی کاروں سے نکلنے والے خوبرو خوش لباس بچے پاپا یہ لے دو! اور ممی وہ لینا ہے جیسی آوازوں میں اپنی فرمائشیں کر رہے تھے اور انکے والدین فرمانبردار بچے کی طرح انکی خواہشات پوری کر رہے تھے۔ عین اسی لمحے انہی کے ہم عمر مجھے چند بچے نظر آئے جو بوسیدہ کپڑے سیاہی مائل

(بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

قسط ۲

سیرت حضرت علیؓ ۔ حلم و بردباری

مکرم عبدالسمیع خان صاحب استاذ جامعہ احمدیہ ربوہ

عورتوں کے ساتھ نرمی برتنا اور ان کی زیادتی کے جواب میں چشم پوشی اور درگزر سے کام لینا ان کی فطرت میں داخل تھا۔ اور انہوں نے کبھی اس کے خلاف عمل نہیں کیا۔ اگر کسی عورت نے اُن کے ساتھ بدسلوکی کی تو انہوں نے اس سے انتقام نہیں لیا۔ بلکہ ضرورت کے وقت عورت کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کی خاص طور پر وصیت کرتے رہے۔

جنگِ صفین کے موقع پر لڑائی سے پہلے اُنہوں نے اپنی فوج کے سامنے جو خطبہ دیا اس میں یہ تلقین فرمائی :-

"عورتوں کو ایذا نہ پہنچانا اگرچہ وہ تمہاری ہتک کریں اور تمہارے امراء کو گالیاں دیں کیونکہ وہ کمزور ہوتی ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم عورتوں سے تعرض کریں خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں"[۱]

جنگ جمل کے بعد جب حضرت علیؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو راستہ میں ایک عورت ملی اور انہیں دیکھتے ہی بولی :-

"جس طرح تم نے میرے بچوں کو یتیم کیا ہے اسی طرح خدا تمہارے بچوں کو یتیم کرے"

حضرت علیؓ خاموشی سے گردن جھکائے آگے بڑھ گئے۔[۲]

حضرت عائشہؓ سے ملاقات کے بعد جب واپس ہوئے تو دوبارہ اُس عورت سے سامنا ہوا اور اُس نے پھر اسی طرح کوسا۔ قریب ہی ایک اور شخص کھڑا تھا اس نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے کہا :-

"امیر المومنین! آپ خاموش کیوں ہیں یہ جو کچھ کہہ رہی ہے آپ نے نہیں سُنا؟"

حضرت علیؓ نے اُسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا :-

"ہمیں تو مشرک عورتوں سے بھی درگزر کا حکم ملا ہے اور تم یہ چاہتے ہو کہ ہم مسلمان عورتوں کو بھی معاف نہ کریں"[۳]

اپنے مخالفین کو معاف کرنا اور عفو و تحمّل سے کام لینا تو اُن کی سیرت کا خاص جزو تھا۔ ان سے اہلِ جمل کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا :-

"وہ ہمارے بھائی تھے جنہوں نے ہم سے بغاوت کی، ہم اُن سے لڑے وہ لوٹ آئے، ہم اُن سے راضی ہو گئے"[۴]

ابو البختری کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ اہلِ جمل مشرک تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

---

۱ حضرت علیؓ ص ۲۹۳

۲ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۵۶ ۳ حضرت علیؓ ص ۲۷

۴ سنن بیہقی جلد ۸ ص ۱۸۲

پوچھا گیا کیا وہ منافق تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ منافق تو اللہ کا ذکر کم ہی کرتے ہیں۔ پھر پوچھا گیا آخر وہ کون تھے؟ فرمایا وہ ہمارے بھائی تھے جنہوں نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔

جنگِ صفین کا واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ اپنے عقیدت مندوں کو اہلِ شام کے بارہ میں کچھ نامناسب الفاظ کہتے سُنا تو فرمایا:-

"میں تمہارے اس سب وشتم کو ناپسند کرتا ہوں۔ کاش تم مخالفین کے اعمال اور موجودہ روش کا ذکر کرتے اور سب وشتم کی بجائے یہ دُعا کرتے کہ خدایا ہمارا اور خون نہ بہنے دے۔ ہمارے اور ان کے درمیان جو حالات پیدا ہو گئے ہیں انہیں دُور کر۔ ان کی غلطی معاف فرما۔ ان کو گمراہی سے باز رکھ۔ تاکہ باطل کے مقابلہ میں حق کا بول بالا ہو اور جو لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہیں ان کی اصلاح ہو۔ یہ طریق زیادہ بہتر اور مناسب تھا۔"

مروان بن حکم اور سعید بن عاص حضرت علیؓ کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے مگر جب ان لوگوں پر حضرت علیؓ کو دسترس حاصل ہوئی تو ان کو معاف فرما دیا۔

جنگِ جمل کے میدان میں جب آپ فریقِ مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر افسوس فرماتے تھے۔ جب حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمد پر نظر پڑی تو آہ بھر کر فرمایا:-

"ہائے قریش کا شکرہ اس حال میں ہے۔"

حضرت طلحہؓ بھی میدانِ جنگ میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ آئے تھے مگر بغیر لڑے لوٹ گئے تھے۔ لیکن ایک بدبخت نے انہیں شہید کر دیا۔ حضرت علیؓ کو جب حضرت طلحہؓ کی لاش ملی تو بے اختیار رو پڑے اور ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرتے ہوئے فرمایا:-

"اے ابو محمد! میرے لئے اس سے بڑھ کر باعثِ رنج و غم کوئی چیز نہیں کہ میں تمہیں آسمان کے ستاروں کے سایہ میں ابدی نیند سوتے دیکھوں۔ اے کاش میں آج سے بیس سال پہلے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکا ہوتا۔"

جنگ کے بعد حضرت طلحہؓ کے بیٹے عمران اور آزاد کردہ غلام حضرت ابو حبیبہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خندہ پیشانی سے اُن کا استقبال کیا اور قریب بٹھایا اور فرمایا کہ:-

"خدا تعالیٰ تیرے والد کو اور مجھے اُن لوگوں میں شامل کرے جن کے بارہ میں اس نے فرمایا ہے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ"

یعنی ہم اُن کے سینوں میں سے تمام کینہ وغیرہ نکال دیں گے اور وہ بھائی بھائی بن کر تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے (جنت میں) بیٹھے ہوں گے۔

پھر آپ ان کے اہلِ خاندان کا حال دریافت فرماتے رہے۔ عورتوں کے متعلق خصوصیت سے پوچھا۔ حتیٰ کہ اُن کے ماں باپ تک کے بارہ میں دریافت کیا۔ اور پھر تحائف دے کر

سنن بیہقی جلد ۸ صفحہ ۱۷۳ — حضرت علیؓ صفحہ ۴۸ — حضرت علیؓ صفحہ ۲۷ — سیر الصحابہ جلد اول صفحہ ۳۳۶ — حضرت علیؓ صفحہ ۲۴۸ — الحجر آیت ۴۸

رخصت فرمایا [۱]

حضرت زبیرؓ کی نعش اُن کے سامنے لائی گئی تو آبدیدہ ہو گئے اور بہت دُکھ کا اظہار فرمایا [۲]

خوارج ان کے بدترین دشمن تھے۔ انہوں نے ہی لشکرِ مرتضوی کی صفوں میں انتشار پیدا کیا تھا اور بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اور یہی وہ لوگ تھے جو حضرت علیؓ کے لئے دیگر تمام دشمنوں سے زیادہ خطرناک تھے مگر حضرت علیؓ نے اپنے حلقہ بگوشوں کو یہ وصیت فرما رکھی تھی کہ اُن کے ساتھ جنگ نہ کی جائے اس لیئے کہ اُن کی رائے میں وہ لوگ غلط کار مگر مخلص تھے [۳]

حضرت ابوزعراء حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ :-

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں انتہائی بردبار بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قیدیوں کو ہمارے ذریعہ سے رہائی دیتا ہے۔ اور تمہاری گردنوں سے پھندے اُتارتا ہے [۴]"

آپ نے اشتر کو مصر کا والی مقرر کرتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی کہ :-

"وہاں کے باشندوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی کا سلوک کرنا۔ سختی صرف اس وقت ہو جب اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ ہو [۵]"

آپ فرمایا کرتے تھے :-

"اگر تم اپنے دشمن پر قابو پا لو تو قابو پانے کے شکریہ میں اسے معاف کر دو۔ اور عفو و درگزر کرنے کے لائق سب سے زیادہ وہ شخص ہے جسے سزا دینے میں کوئی روک نہ ہو [۱]"

اس قول کے مطابق حضرت علیؓ کی عام زندگی بھی حلم و صبر کے واقعات کا مرقع ہے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے ایک غلام کو پکارا لیکن غلام نے جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ پکارا تب بھی نہ بولا۔ تیسری دفعہ پھر بلایا لیکن جواب ندارد۔ آپ خود اُٹھ کر غلام کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کیا تم نے میری آواز نہیں سُنی۔ غلام نے کہا کہ سُنی ہے۔ فرمایا اگر سُنی ہے تو جواب کیوں نہیں دیا۔ کہنے لگا میں آپ کے حلم کی وجہ سے آپ کی ناراضگی سے بے خوف تھا اس لیئے میں نے غفلت کی۔ آپ نے اُسی وقت غلام کو آزاد کر دیا [۲]

ایک روایت میں ہے کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ یہ آپ کا کیسا غلام ہے کہ جواب ہی نہیں دیتا۔ فرمایا غلام کی بداخلاقی آقا کی خوش اخلاقی کی دلیل ہے [۳]

آپ خود بازاروں کا چکر لگاتے، لوگوں کو کاروبار کرتے ہوئے دیکھتے اور جہاں کوئی غلطی دیکھتے اس کی اصلاح فرماتے۔ ایک دفعہ آپ کھجور بیچنے والوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک لونڈی رو رہی ہے۔ آپ

۱۔ سنن بیہقی جلد ۸ صفحہ ۱۷۳
۲۔ سیر الصحابہؓ جلد اوّل صفحہ ۳۳۶
۳۔ حضرت علیؓ صفحہ ۲۸
۴۔ حیاۃ الصحابہؓ جلد ۲ صفحہ ۶۵۰
۵۔ خلفائے محمدؐ صفحہ ۱۶

۱۔ خلفائے محمدؐ صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳
۲۔ اسد الغابہ صفحہ ۱۴۲
۳۔ جوامع الکلم صفحہ ۷۳

نے اس سے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں فلاں دکاندار سے ایک درہم کی کھجوریں خرید کر لے گئی تھی مگر میرے مالک نے انہیں ناپسند کر کے واپس کر دیا ہے۔ لیکن دکاندار واپس لینے سے انکاری ہے۔ آپ نے لونڈی کو تسلی دے کر دکاندار سے فرمایا کہ بھائی یہ بیچاری تو خدمتگار اور بے اختیار ہے اپنی کھجوریں واپس لے لو۔ اُس نے یہ سُن کر امیر المومنین کو بُرا بھلا کہا اور دھکا دیکر ہٹا دیا۔ دوسرے لوگوں نے اس دکاندار کو بُرا بھلا کہا اور سمجھایا کہ تُو جانتا نہیں کہ تُو نے کس شخص کو دھکا دیا ہے اُس نے کہا نہیں۔ تو لوگوں نے اُسے بتایا کہ یہ امیر المومنین ہیں۔ دکاندار نے فوراً کھجوریں واپس کر کے لونڈی کو درہم اُسے لوٹا دیا اور حضرت علیؓ سے معافی کا طالب ہوا۔ آپؓ نے اُسے خندہ پیشانی سے معاف کر دیا اور فرمایا کہ تیری طرف سے مجھے خوش کرنے کا اس سے زیادہ اچھا کوئی طریق نہیں کہ تُو لوگوں کو ان کا پورا حق ادا کیا کرے۔[۱]

آپ کے دَورِ خلافت میں اندرونی فتنوں سے قوت پاکر مفتوح اقوام کو بھی بغاوت کا حوصلہ ہوا مگر آپ نے ہرگز کسی سے انتقام نہیں لیا۔

اہلِ بصرہ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کے بعض مخالفین کے بھروسہ پر بغاوت کر دی جس پر جلد ہی قابو پا لیا گیا مگر حضرت علیؓ کے ترحم نے عفوِ عام کا اعلان کیا اور کسی کو کوئی سزا نہ دی گئی۔[۲]

ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بارہا بغاوتیں ہوئیں مگر حضرت علیؓ نے ہمیشہ حلم اور بردباری سے کام لیا۔ ایک بار خاندانِ کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور میں بغاوت کر دی۔ حضرت علیؓ کے مقرر کردہ سالار نے بغاوت کو ختم کیا اور اس لڑکی کو گرفتار کر کے بارگاہِ خلافت میں بھیج دیا۔ حضرت علیؓ نے اُس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند حسنؓ سے اس کا نکاح کر دیں۔ اس نے کہا کہ وہ ایسے شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو۔ اگر خود حضرت علی اسے اپنے عقدِ نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیبِ خاطر حاضر ہے۔ حضرت علیؓ نے انکار کیا اور اُسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔[۱]

کرمان اور فارس کے عجمیوں نے بغاوت کر کے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی باغیوں سے اس لطف اور مدارات کا برتاؤ کیا کہ ایران کا بچہ بچہ ممنونِ پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ایرانی اس لطف و کرم سے متاثر ہو کر کہتے تھے :۔

"خدا کی قسم اِس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی"۔[۲]

حضرت علیؓ حلم کی تلوار سے دلوں کو فتح کرنا جانتے تھے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فتح مکہ کے بعد تبلیغ حق کے لئے یمن میں بعض صحابہؓ کو بھجوایا گیا مگر وہ اپنی مہم میں کامیاب نہ ہوئے۔ آخر

---

[۱] اسد اللہ صہ ۱۴۱
[۲] سیر الصحابہؓ جلد اوّل صہ ۲۹۴

[۱] سیر الصحابہؓ جلد اوّل صہ ۲۷۶
[۲] سیر الصحابہؓ جلد اوّل صہ ۲۹۵، ۳۰۶

اُن کو واپس بلا کر رمضان سنہ ۱۰ھ میں حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا تو اُن کے وہاں پہنچتے ہی رنگ بدل گیا۔ جو لوگ ان کے پیشرو کی چھ ماہ کی سعی و کوشش سے بھی دین کی حقیقت کو نہ سمجھے تھے وہ حضرت علیؓ کی چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے۔ اور قبیلہ ہمدان پورے کا پورا حلقہ بگوشانِ مصطفیٰ میں داخل ہو گیا۔[۱]

حضرت علیؓ کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابن ملجم ہو سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے اُسے بھی حُسنِ سلوک سے محروم نہیں رکھا۔ شہادت سے پہلے جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ :-

"اس کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ۔ اگر مَیں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار ہو گا۔ اور اگر مَیں مر گیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا۔ مَیں خدا کے سامنے اس سے جھگڑوں گا مگر اس کے ساتھ کسی طرح کی ناواجب سختی نہ کرنا"۔[۲]

عفو و حلم اور حدود اللہ کے قیام کا کیسا عمدہ منظر ہے۔

جب انسان کسی کے خلاف غصّے اور اشتعال میں آتا ہے تو اس کے دیگر حقوق بھی تلف کر کے اس پر ظلم کرنے لگتا ہے اور عدل کے تقاضوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس لیئے قرآن کریم کا حکم ہے :-

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ۔[۱]

یعنی کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اس ہدایتِ ربانی کے موافق حضرت علیؓ مخالفین کے حقوق کو قائم کرنے اور انصاف کے قیام کے لیئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

ایک شخص نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا:-

"اے امیر المومنین! آپ کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لے کر پیش ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہے جو آپ کا شیدائی ہے اور اپنی جان بھی آپ پر فدا کرنے کے لیئے تیار ہے اور دوسرے کا یہ حال ہے کہ اگر اُسے آپ کو ذبح کرنے کا اختیار مل جائے تو وہ اس میں ذرا تاخیر نہ کرے۔ مگر آپ مقدمہ کا فیصلہ اپنے محبت کرنے والے کے خلاف اور اپنے دشمن کے حق میں کرتے ہیں"۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:-

"اگر یہ فیصلہ میرا اختیار ہوتا تو میں تیری منشاء کے مطابق کرتا۔ مگر یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو صرف اللہ کے لیئے ہے"۔[۲]

---

[۱] زرقانی شرح مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳۔ فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۵۲

[۲] طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۳۷

[۱] المائدہ آیت ۹۔

[۲] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۶

یہ محض فرضی بات نہیں حقیقت ہے۔ حضرت علیؓ کی ایک گم شدہ زرہ ایک عیسائی کے پاس ملی۔ وہ اُسے لے کر قاضی شریح کی عدالت میں حاضر ہوئے اور عام آدمی کی طرح بیان دیا کہ یہ زرہ میری ہے میں نے کسی کے ہاتھ بیچی نہ ہبہ کی ہے۔ قاضی نے عیسائی کا بیان بھی سُنا۔ اُس نے کہا کہ یہ زرہ میری ہے۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس اپنے دعویٰ کا کوئی ثبوت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس اپنے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں۔

چنانچہ قاضی نے عیسائی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اور وہ زرہ لے کر چلتا بنا مگر تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر بولا۔

مَیں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کے فیصلے ہیں۔ ایک امیر المومنین مجھے اپنے مقرر کردہ قاضی کی عدالت میں لاتا ہے اور فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ امیر المومنین! یہ زرہ آپ کی ہے۔ مَیں آپ کے لشکر کے ساتھ کچھ دُور تک گیا تھا راستے میں مَیں نے ایک اونٹ سے یہ زرہ چُرا لی تھی حضرت علیؓ نے یہ سُن کر فرمایا:۔

چونکہ تم مسلمان ہو گئے ہو اس لئے
یہ زرہ اب تمہاری ہے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ اس شخص نے جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے ہمراہ خوارج سے جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی۔[1]

حضرت علیؓ تو اللہ ربّ العزت کے ارشادات پر عمل کر کے اس کے شیریں ثمرات حاصل کر رہے تھے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ[2]

کہ بُرائی کا جواب نہایت نیک سلوک سے دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ شخص جس کے اور تیرے درمیان عداوت پائی جاتی ہے۔ وہ تیرے حُسنِ سلوک کو دیکھ کر ایک گرم جوش دوست بن جائے گا۔

اس عیسائی نے حضرت علیؓ سے زرہ وصول کی۔ نہیں نہیں، ان کے اعلیٰ اخلاق اور تحمّل اور حلم اور وقار کا منظر دیکھ کر اُن پر قربان ہو گیا۔

حلم اور صبر اور عفو و درگزر کا یہ وہ عظیم الشان اور لافانی نمونہ ہے جو حضرت علیؓ نے اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اور اُسے اپنے عمل کی دنیا میں اتارا۔ حضرت علیؓ کی سچّی شجاعت اس حسن کا تقاضا کرتی تھی کیونکہ وہ خدا کی رضا سے ممسوح تھی اور دنیا کی کوئی ملونی اس میں نہ تھی۔ کیسا عظیم الشان وہ رسولؐ تھا اور کیسا پیارا تربیت کا رنگ اس کے غلاموں نے پکڑا۔

نفرت تو مرنے کے لئے ہوتی ہے اور مر جاتی ہے مگر محبّت اور خیر خواہی اور گہری ہمدردی انسان کو ابدی زندگی کا جام پلاتی ہے یہ وہ کردار ہے جو مٹ نہیں سکتا۔ وہ بظاہر ایک وقت تک مغلوب نظر آتا

---

[1] حضرت علیؓ صفحہ ۵۸، مسلمان حکمران صفحہ ۱۶۰

[2] حٰم السجدہ۔ آیت ۳۵

ہے مگر بالآخر آخری فتح اسی کے نام پر مقدر کی جاتی ہے۔

پس آج وہ لوگ جو حضرت علی رضؓ کے نام لیوا ہیں اور اُن سے سچی محبت کا دم بھرتے ہیں وہ حضرت علیؓ کی سیرت کو بھی تو اپنائیں۔ اُن سے بے لوث اور خالصۃً للّٰہ شجاعت بھی سیکھیں اور ہر چہار طرف سے اُمڈنے والی اندرونی اور بیرونی نفرت کے مقابل پر اپنے مولیٰ کی خاطر حلم اور عفو کے جھنڈے بلند کرنا بھی سیکھیں کہ اسی میں زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ یہ کام فی الواقع مشکل ہے مگر ان کے لیئے نہیں جو خدا کے نام پر جینے اور مرنے کا ڈھنگ سیکھ لیتے ہیں۔ اور اس کے لیئے ہمارے پاس وہ معلّم ہیں جو خدا نے مقرر کیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ

کہ تم میری سُنّت کی پیروی کرو اور اُن خلفاء راشدین کی جنہوں نے خدا سے اور مجھ سے ہدایت پائی ہے

کُلُّ بَرَکَۃٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ

بقیہ: سنگ نوردی صہ ۳۲ سے آگے

رنگت ایک ریڑھی تھامے ہوئے تھے اور ہر راہگیر سے کہتے تھے "باؤجی مزدو" ، "جناب لائیے میں آپ کا سامان لے جاؤں" تب دیر تک میں سوچتا رہا کہ ان دو قسم کے بچوں کے حال اور مستقبل میں کتنا تضاد ہے اس میں قصور کس کس کا ہے۔ اس گتھی کو میرا ذہن تو نہ سلجھ سکا شاید قارئین کے فہم و ادراک میں یہ بات آجائے

مری سے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے یہ راستہ بہت خوبصورت ہے۔ ون وے ٹریفک ہے۔ سڑک کو حاشیہ لگا کر خوبصورت کیا گیا ہے قریباً ہر موڑ پر قد آدم آئینے لگا دیئے گئے ہیں۔

دوپہر کو ہم اسلام آباد پہنچے۔ یہاں ہم نے صرف فیصل مسجد اور اس سے ملحقہ اسلامیہ یونیورسٹی دیکھنے پر ہی اکتفا کیا۔ سعودی عرب کی مدد سے تعمیر ہونے والی اپنی نوعیت کی یہ منفرد مسجد ہے۔ اور اس کے ساتھ واقع اسلامیہ یونیورسٹی میں اسلامی علوم پڑھائے جاتے ہیں۔

اور قارئین یہی ہمارے ٹور کا آخری مقام تھا یہاں سے فارغ ہو کر ہم سب نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

رنگین فلموں کی ڈویلپنگ، پرنٹنگ اور فوٹو سٹیٹ
کاپی کے لیئے ہماری خدمات حاصل کریں۔
ریمبو کلر سنٹر
۱- دیال سنگھ مینشن
دی مال- لاہور
پروپرائٹر: ناصر محمود

Monthly KHALID Rabwah

Regd. No. L5830

APRIL, 1989